و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ میثاق لاہور

★

مدیر مسؤل

اسرار احمد

زیر سر پرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

عدد ۷	جولائی ۱۹۶۸ء	جلد ۱۵

فہرست

★ تذکرہ و تبصرہ ———— اسرار احمد ۱

★ تدبر قرآن ★ کام کی رفتار اور ایک قابل توجہ امر ، مولانا امین احسن اصلاحی ۹

★ تفسیر سورۃ مائدہ (۳) " " ۱۳

★ افادات فراہی ★ دنیا میں خیروشر کے وجود کا مسئلہ — خالد مسعود ۳۱

★ مقالات ★ اصلاح معاشرہ کی بنیادیں (۲) — مولانا عبدالغفار حسن ۳۵

★ تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش (۵)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۳۱

★ تقریظ و تنقید ★ التکمیل فی التاویل (عربی) تالیف مولانا حمیدالدین فراہی ۵۷

★ حقیقت خلافت و ملوکیت " محمود احمد عباسی ۵۹

★ ISLAMIC EDUCATION زیرادارت ڈاکٹر محمد رفیع الدین ۶۲

★

یکے از مطبوعات

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور - 1 (فون 69522)

قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 15	JULY 1968	No. 7

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد اول —— مشتمل بر

مقدمہ وتفاسیر آیۂ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹ ، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصولڈاک : ایک روپیہ بچھتر پیسے)

(اکتیس روپے بچھتر پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور نمبر - 1 فون نمبر 69522

(سول ایجنٹ برائے بھارت : کتب خانہ الفرقان ، کچہری روڈ — لکھنؤ)

پبلشر : محی الدین طابع : محمد طفیل مالک نقوش پریس آردو بازار لاہور

اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

. گزشتہ شمارے کے ساتھ راقم الحروف کے زیرِادارت 'میثاق' کے دو سال مکمل ہو گئے تھے اور زیرِنظر اشاعت سے تیسرے سال کی ابتدا ہو رہی ہے۔ دو سال کی اس مدت میں 'میثاق' کے ذریعے اگر دین کی کوئی بڑی یا چھوٹی خدمت ہوئی ہے تو وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے —— اور اگر کسی کوتاہی یا غلطی کا صدور ہوا ہے تو وہ یقیناً میری نااہلی اور شرارتِ نفس کی بنا پر ہے۔ آئندہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی کی امید اور اس کے اس حتمی وعدے پر پختہ یقین کی بنا پر کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم لازماً انہیں اپنے راستوں پر چلائیں گے۔

اس دعا کے ساتھ اس سفر کو جاری رکھنے کا عزم ہے کہ:

رَبَّنَا اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ (آمین)[1]

'صحافت' نہ تو راقم الحروف کا 'پیشہ' ہے اور نہ 'مشغلہ'۔ جہاں تک کسبِ معاش کا تعلق ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے وہ ذریعہ عطا فرمایا تھا جو سب کے نزدیک دنیا کا شریف ترین پیشہ ہے۔ پھر میرے بارے میں کسی نے کہا ہے

---

[1] "پروردگار، ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی ہمت عطا فرما۔"

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر 1

★

"......Many official and unofficial, political and non-political agencies have recently been trying to issue calls and manifestoes for starting a renaissance movement in the thought of Islam. The most recent and by far the most interesting is a pamphlet by Dr. Israr Ahmad. .... This pamphlet, "Islam Ki Nisha'at-e-Sania", is a very important document, and needs to be studied by all Muslims, because it makes the attempt, rare in these days, to come to grips with the fundamental issue of our situation as Muslims in the modern world......."

'Cultural Notes' *by* **'ZENO'**
The Pakistan Times, Lahore,
Friday, June 14, 1968.

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

اسرار احمد

★ —— فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء   ★ —— بنیادی نقطۂ نظر
★ —— عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش
★ —— مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل
★ —— علوم عمرانی کا ارتقاء
★ —— اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکیں
★ —— تعبیر کی کوتاہی   ★ —— احیائے اسلام کی شرط لازم : تجدید ایمان
★ —— کرنے کا اصل کام   ★ —— عملی اقدامات —— اور

★ —— مضامین مندرجہ بالا کی تائید و توثیق بعنوان ——

"فکر مغرب کی اساس
اور اس کا تاریخی پس منظر"

از قلم : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

سائز ۲۲×۱۸/۸ ، صفحات : ۵۶ ، طباعت آفسٹ ، قیمت : ایک روپیہ

شائع کردہ

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور - 1 فون نمبر 69522

اور کچھ بھی کہا ہو، مجھ پر غبی ہونے کا الزام آج تک کسی نے نہیں لگایا ——— یہ بالکل دوسری بات ہے کہ اپنے دورِ تعلیم کے انتہائی اہم زمانے میں مَیں ایک تحریک اور اس کی دعوت سے متاثر ہوا اور فوری طور پر میں نے پورے فہم اور شعور کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا ——— کہ میری زندگی میں اوّلیت اس تحریک اور اس کی دعوت کو حاصل ہوگی۔ معاش اور کسبِ معاش کے ذریعے (یعنی PROFESSION— AL CAREER) کو بالکل ثانوی مقام حاصل ہوگا۔ تعلیم کے اختتام اور عملی زندگی کے آغاز کے بعد بھی قلب کی گہرائیوں سے ابھرنے والے بعض تقاضوں اور روح کی پہنائیوں سے اٹھنے والے بعض مطالبوں نے مسلسل بے چین کیے رکھا۔ چنانچہ مروّجہ معیارات کے مطابق 'پیشہ ورانہ کامیابی' کے بنیادی لوازم ——— یعنی توجہ کا ارتکاز ——— اور ایک مقام پر مستقل قیام ——— کبھی پورے نہ کیے جا سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دوران میں جب بھی کبھی ایسا ہوا کہ پیشہ ورانہ مصروفیت میں اضافہ ہوتا اور وقت اور توجہ کا معتد بہ حصہ اس میں صرف ہونے لگتا تو قلب و روح کی گہرائیوں سے وہی صدا بلند ہونے لگتی جو ایک روایت کے مطابق شکار کے دوران ایک بیابان میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو سنائی دی تھی کہ

یا ابراھیمُ! اَلِھٰذا خُلِقْتَ اَمْ بِھٰذا اُمِرْتَ؟

(اے ابراہیم، کیا اسی کام کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔ یا کیا اس کا تمہیں حکم ملا ہے؟)

نتیجۃً طبیعت میں توحش پیدا ہو جاتا ——— اور پیشہ ورانہ مصروفیت سے دل بالکل اچاٹ ہو جاتا۔ یوں ——— معاشی استحکام ——— اور پیشہ و فن میں تمکّن کا اصل زمانہ یعنی اختتامِ تعلیم سے لے کر مسلسل دس بارہ سال تک کا عرصہ مَیں نے اس حال میں گزارا کہ جہاں کی فضا اپنے 'مقصدِ زندگی' کے لیے نسبتاً زیادہ سازگار نظر آئی اپنا سارا بوریا بستر سمیٹ کر وہاں چل دیا۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہ سوچا کہ ایک مقام پر ایک عرصہ تک قیام کی بنا پر معاشی و فنی اعتبار سے جو حیثیت بنی ہے اس کو اس طرح نظر انداز کرنے سے معاشی مستقبل کتنا مخدوش ہو جائے گا ——— حد یہ ہے کہ ایک بار 'مقصدِ زندگی' کے نام پر دی جانے والی ایک دعوت کی بنا پر پیشہ و فن کی پوری بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی ——— الغرض مسلسل آج یہاں کل وہاں، پرسوں کہیں اور، اور اگلے روز کہیں اور کی حالت طاری رہی ——— لوگ "تلوّن" اور "غیر مستقل مزاجی" کی پھبتیاں کستے رہے۔ لیکن مَیں اپنے باطن کا جائزہ لیتا تو یہ معلوم کر کے مطمئن ہو جاتا رہا کہ میرے اس ظاہری 'تلوّن' کا اصل سبب بحمد اللہ اپنے اس قدیم فیصلے پر پوری 'مستقل مزاجی' کے ساتھ عمل پیرا رہنا تھا کہ میری زندگی میں اوّلیت بہرحال 'مقصدِ زندگی' کو حاصل رہے گی۔ معاش اور اس کے متضمنات ہمیشہ ثانوی

رہیں گے ——— ! ——— ایک طویل عرصے تک ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آج سے دو ڈھائی سال قبل حکمتِ خداوندی اور مشیّتِ ایزدی کے تحت یہ صورت پیدا ہوئی کہ میں لاہور منتقل ہوا ——— اور یہاں 'مقصدِ زندگی' کے لیے خالص 'ذاتی حیثیت' میں ایک حقیر جدوجہد کے آغاز کے طور پر پہلے "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کی اشاعت اور پھر 'میثاق' کے از سرِ نو اجراء کا اہتمام کیا ——— !

رہا 'شوق' کا معاملہ، تو خدا جانتا ہے کہ 'لکھنے' کا شوق مجھے کبھی نہیں رہا۔ اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ 'لکھنا' مجھے ہمیشہ ایک نہایت مشکل اور نہایت کٹھن کام نظر آیا۔ نہ تو یہ کبھی میرا مشغلہ (HOBBY) رہا۔ اور نہ ہی کبھی میں نے اس کی مشق کی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ میرا ذاتی احساس یہ ہے کہ اس 'فن' کے ابجد تک سے میں تاحال ناواقف ہوں۔ اسلامی جمعیّت طلبا سے وابستگی کے دوران خالص تنظیمی نوعیت کی چند تحریروں یا ایک آدھ وارداتِ قلبی کے اظہار کے قبیل کی چیزوں کے علاوہ پورے زمانۂ طالب علمی میں مَیں نے کبھی کچھ نہ لکھا ——— اس کے بعد مسلسل دو سال ایک حرف بھی قلم سے نہ نکلا۔ لیکن پھر اچانک 'مقصدِ زندگی' کی لگن اور اس کے ساتھ شدید ذہنی وابستگی سے یہ 'معجزہ' صادر ہوا کہ اکتوبر ۵۶ء میں دس پندرہ دن کی مدت میں سوا دو سو صفحات پر مشتمل وہ بیان تحریر میں آگیا جو اب 'تحریکِ جماعتِ اسلامی' کی صورت میں مطبوعہ موجود ہے، ——— اس کے بعد مسلسل دس سال پھر اس حال میں گزرے کہ ایک حرف بھی قلم سے نہ نکلا حتیٰ کہ اس پورے عرصہ میں خطوط بھی چند بالکل گنے چنے ہی لکھنے میں آئے ——— تا آنکہ جولائی ۶۶ء میں 'میثاق' کا دوبارہ اجراء عمل میں آیا۔ اس کے بعد کی 'قلمی داستان' سے قارئینِ 'میثاق' بخوبی واقف ہی ہیں۔

یہ پوری داستان بے اختیار اس لیے نوکِ قلم پر آگئی کہ حال ہی میں چند مخلصین نے یہ شکوہ کیا ہے کہ "رسائل و اخبارات کے اداریے وقتی حالات و مسائل پر تبصرے کے لیے ہوتے ہیں، تم ان میں بھی ثقیل مضامین بھر کر 'صحافت' کے معروف اصولوں کو توڑ رہے ہو ——— ؟" اور بعض دوسرے حضرات نے یہ طعنہ دیا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس 'لکھنے' کے لیے کچھ ہے ہی نہیں!" ———

——— میری گزارش اپنے ان تمام دوستوں اور بزرگوں سے یہ ہے کہ واقعۃً 'صحافت' نہ میرا 'پیشہ' ہے نہ 'مشغلہ'! ——— لہٰذا صحافت کے مروّجہ معیارات کے مطابق میری جانچ پرکھ

مجھ پر شدید زیادتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کو جو گلہ اپنے دوستوں سے تھا کہ ع

مرا یاراں غزلخوانے شمردند !

وہی مجھے اپنے ان مخلصوں سے ہے کہ وہ مجھے ایک صحافی سمجھ رہے ہیں، میں نے ہرگز صحافت کا شوق پورا کرنے کے لیے اس کوچے میں قدم نہیں رکھا۔ بلکہ 'میثاق' کا اجراء صرف اپنے مقصدِ زندگی کے حصول کی جدوجہد کے لیے کیا ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس وسیع و عریض دنیا میں اپنے مقصد اور اس کی جدوجہد سے بڑھ کر اہم چیز کوئی نظر ہی نہیں آتی! موجودہ حالات و واقعات میرے نزدیک بذاتِ خود فی نفسہٖ نہ کوئی علیحدہ وجود رکھتے ہیں نہ مستقل اہمیت کہ ان پر تبصرہ کسی افادیت کا حامل ہو سکے مجھے اس ایک مقصد کے سوا کسی چیز سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے کہ مسلمان جیوں اور مومن مروں۔ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ خود میرا سینہ بھی نورِ ایمان سے منور ہو —— اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے قلوب و اذہان بھی اسی نور سے جگمگا اٹھیں۔ تاکہ وہ بھی اسلام پر زندہ رہیں اور ایمان پر اس دنیا سے رخصت ہوں۔ پھر کوئی جماعت یا تنظیم ایسی مل جائے جو اس مقصد کے لئے کام کرنا چاہتی ہو تو کیا کہنا! —— بصورتِ دیگر میں تن تنہا اسی مقصد کے لیے کام کرتے رہنے ہی کو اصل کامیابی و سعادت و فلاح سمجھتا ہوں چاہے پوری زندگی کی جدوجہد کے بعد بھی اس کا کوئی محسوس و مشہود نتیجہ سامنے نہ آئے۔

لگے ہاتھوں اس امر کی وضاحت بھی ایک بار پھر ہو جائے۔ کہ میرے سامنے ابتدا ہی سے دو کام تھے: :

ایک اجتماعی یعنی یہ کہ وہ تمام قدیم رفقاء جو جماعتِ اسلامی سے تقریباً ایک ہی نوعیت کے اختلاف کی بنا پر علیحدہ ہوئے تھے اور جن کے ذہنی و فکری پس منظر میں بہت حد تک مماثلت موجود تھی ان کو از سرِ نو ایک تنظیم کے سلسلے میں منسلک کیا جائے تاکہ ان کی وہ صلاحیتیں اور توانائیاں جو علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہیں پھر کسی مثبت تعمیری کام میں صرف ہو سکیں۔ اس مقصد کے لیے میں نے اپنے ذہن کے مطابق کام شروع کیا تھا اور ابھی اسے کسی نتیجے تک پہنچنے میں کچھ دقت لگتا کہ تائیدِ غیبی کے طور پر مولانا عبد الغفار حسن اور ان کی تحریک پر محترم شیخ سلطان احمد صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھا لیا اور ان بزرگوں کی مساعی سے ایک نئی دینی تنظیم کا ابتدائی ڈھانچہ تیار ہو گیا —— میرے لیے اس سے زیادہ خوش آئندہ چیز اور کیا ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو پوری طرح ان

بزرگوں کے حوالے کر دیا۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ 'تنظیمِ اسلامی' کے تحت کچھ عملی جدوجہد کا آغاز بھی ہو گیا لیکن جلد ہی بعض حالات و مسائل کی بنا پر ایک تعطل کی سی کیفیت اس پر طاری ہو گئی۔ جس کا سب سے بڑا سبب غالباً یہ ہے کہ اس کے اصل مجوز و محرک یعنی مولانا عبد الغفار حسن کا مستقل قیام پاکستان میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں ہے۔ اور ان کی مسلسل توجہ سے یہ تنظیم محروم ہے۔ حال ہی میں مولانا سالانہ تعطیلات پر پھر پاکستان تشریف لائے ہیں اور انشاء اللہ جلد ہی 'تنظیمِ اسلامی' کی عملی جدوجہد کے آغاز کے بارے میں کچھ فیصلہ کن اقدامات ہوں گے۔

دوسرا کام خالص ذاتی نوعیت کا تھا یعنی یہ کہ چونکہ میری رائے میں انسانی معاشرے میں سب سے زیادہ اہم اور مؤثر طبقہ اہلِ علم اور اصحابِ فکر کا ہوتا ہے اور تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کے لیے لازم ہے کہ اس طبقے کے قلوب و اذہان نورِ ایمان سے منور ہوں لہٰذا ضرورت ہے کہ قرآن مجید کی بنیاد پر ایک علمی تحریک برپا کی جائے جو علم کی اعلیٰ ترین سطح یعنی منطق و فلسفہ اور الٰہیات و مابعد الطبیعات کے میدان میں بھی کام کرے اور جدید علم کلام "مرتب کرے" اور عمرانیات کے میدان میں بھی کام کرے اور جدید تمدن کے تمام پیچیدہ مسائل کا صحیح حل اسلام کی روشنی میں پیش کرے۔ اس سلسلے میں فی الحال دو کاموں کی ابتدا ہو سکی ہے۔ ایک دار الاشاعت الاسلامیہ کا قیام اور دوسرے لاہور میں حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کا اجراء۔

'دار الاشاعت الاسلامیہ' کے زیرِ اہتمام 'میثاق' کی دوبارہ اشاعت کا بندوبست ہوا۔ پھر 'تدبرِ قرآن' کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ اور اب 'سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی' کے آغاز کے طور پر 'اسلام کی نشاۃِ ثانیہ' کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ اس سلسلے کی دوسری کڑی 'مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق' بھی انشاء اللہ جلد شائع ہو جائے گی۔

'اسلام کی نشاۃِ ثانیہ' کا خیر مقدم راقم کی توقع سے بہت زیادہ ہوا۔ چنانچہ ایک طرف ملک کے ایک مشہور صحافی نے جو ایک اہم انگریزی روزنامے میں علمی اور تمدنی و ثقافتی معاملات پر تبصرے تحریر کرتے ہیں اس پر ایک مستقل مضمون لکھا —— اور اسے " ایک نہایت اہم دستاویز " قرار دیا جسے ان کی رائے میں ہر مسلمان کو پڑھنا چاہیئے —— اور دوسری طرف متعدد نوجوانوں کے خطوط میں اس امر کا اظہار ہوا کہ وہ اس کے مندرجات سے پوری طرح متفق ہیں اور احیائے دین کے سلسلے میں جو عملی نقشہ اس میں پیش کیا گیا ہے اس کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرنا چاہتے ہیں۔ خصوصاً کراچی کے ایک نوجوان کے خط سے تو راقم بے حد متاثر ہوا۔ انہوں نے پہلے درسِ نظامی سے فراغت حاصل کی تھی۔ پھر یہ محسوس کر کے کہ اس دور میں احیائے دین کے کام کے لئے لازم ہے کہ فکرِ جدید سے بھی واقفیت

حاصل ہو۔ کراچی یونیورسٹی سے معاشیات اور سیاسیات میں ایم اے کیا اور ان میں سے ایک میں پوری یونیورسٹی میں اوّل بھی آئے۔ اب وہ کراچی میں ایک تبلیغی ادارے میں لیکچرر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور اسی ادارے کے تحت شائع ہونے والے ایک انگریزی مجلے کے مدیر معاون بھی ہیں ——— گویا علم جدید و قدیم دونوں کے اعتبار سے راقم الحروف کے مقابلے میں وہ یقیناً بہت آگے ہیں۔ انہوں نے جب یہ تحریر فرمایا کہ اس کتابچے سے ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور احیائے دین کی واضح راہ ان پر روشن ہو گئی ہے اور وہ "قرآن اکیڈمی" کے مجوزہ منصوبے کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کو تیار ہیں۔ تو دل بہت متاثر ہوا۔ اور اس سے ایک تو یہ اطمینان ہوا کہ راقم نے جو خیال اس کتابچے میں ظاہر کیا تھا۔ وہ غلط نہ تھا۔ اور یقیناً اس گئے گزرے دور میں بھی ایسی "سعید روحیں" موجود ہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کو کہ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ اپنا لائحہ عمل بنا کر علم قرآن کی تحصیل و اشاعت کے لئے زندگی وقف کر دیں ——— دوسرے یہ احساس بھی ہوا کہ اگر میری ان کوششوں سے معدودے چند ایسے نوجوان بھی اپنی زندگی اس کام میں لگانے کا ارادہ کرلیں تو ان شاء اللہ العزیز مجھ ایسے ناکارہ انسان کی نجات کے لیے یہ کافی ہو جائے گا۔

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کو بھی بحمد اللہ قدامت پسند مذہبی حلقے اور جدید تعلیم یافتہ طبقے دونوں میں یکساں پسند کیا گیا۔ چنانچہ اس کی کتابی صورت میں اشاعت کا بھی پرزور مطالبہ موصول ہوا۔ ——— اور اس کے معاملے میں بھی ایک ایسے مشہور و معروف بزرگ سے جو ایک طویل عرصے تک لاہور کی ایک مرکزی مسجد میں درس قرآن دیتے رہے ہیں اور اب بھی درس قرآن کا ایک حلقہ قائم کئے ہوئے ہیں: یہ سن کر کہ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کے اس قدر جامعیت کے ساتھ بیان سے خود ان کو یہ محسوس ہوا کہ جیسے پہلی مرتبہ ان کا احساس ہوا ہے۔ حالانکہ علیٰحدہ علیٰحدہ یہ تمام باتیں گفتگو میں عام طور پر آتی ہی رہتی ہیں۔ یہ احساس ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ اس نے ان مضامین کو یکجا بیان کرا دیا۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے کچھ لوگوں کو قرآن حکیم کے حقوق کی ادائیگی کی جدوجہد پر مائل ہی کر دے۔

بہرحال "علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت" کے اس ادارے نے جو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے قائم ہوا ہے اسی کی توفیق اور نصرت و تائید کے بھروسے پر کام شروع کر دیا ہے ——— اب اسی کے ہاتھ اس کی باگ ڈور ہے۔ وہی بھلائیوں کی توفیق دیتا ہے اور غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے انسان کی بری بھلی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور لنگر انداز ہونا بھی۔ یقیناً میرا رب بہت معاف فرمانے والا ——— نہایت مہربان ہے (سورہ ہود آیت ۴۱)

تعلیم و تعلّم قرآن کی نشستوں میں سے ایک ہفتہ وار درس قرآن و حدیث مولانا امین احسن اصلاحی راقم کے مکان پر دے رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ نشست باقاعدگی سے منعقد ہو رہی ہے۔ اور مولانا پوری پابندی کے ساتھ اس کے لئے وقت دے رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ حاضری بھی اس میں بڑھ رہی ہے اور اب یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اب تک جس جگہ یہ درس ہوتا رہا ہے عنقریب وہ ناکافی ہو جائے گی اور کسی دوسری جگہ کے اہتمام کی ضرورت ہو گی۔

ایک حلقہ مطالعہ قرآن راقم الحروف نے سمن آباد میں قائم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس جدید آبادی میں مطالعہ قرآن کا یہ حلقہ نہایت کامیابی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ جہاں صد فی صد وہ لوگ آباد ہیں جنہوں نے جدید علوم و فنون کی تحصیل اعلیٰ ترین سطح پر کی ہے۔ اس حلقے میں چھ ماہ تک راقم نے قرآن مجید کے کچھ منتخب مقامات کا درس دیا۔ جس سے قرآن مجید کی تعلیمات کا ایک اجمالی خاکہ سامنے آ گیا۔ اب دو ہفتہ قبل سے قرآن مجید کا سلسلہ وار ابتداء سے مطالعہ شروع ہوا ہے جس کا آغاز بالکل اچھے طور پر اس طرح ہوا کہ مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر آیہ بسم اللہ و سورہ فاتحہ (جو علیٰحدہ مطبوعہ موجود ہے) تمام حاضرین کے ہاتھوں میں تھی اور راقم اس کو پڑھ کر اس کی مزید وضاحت کرتا رہا ——— اس حلقے میں حاضری بحمد اللہ بڑھتی رہی ہے چنانچہ اب تک لگ بھگ ایک سو حضرات اس نشست میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں۔ خواتین کے لئے پردے کا بندوبست بھی ہے اور وہ بھی اچھی بھلی تعداد میں شریک ہو رہی ہیں۔ میرے برادر عم زاد جن کے مکان پر یہ نشست منعقد ہو رہی ہے انہوں نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے ایک لاؤڈ سپیکر بھی خرید لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس انفاق کو قبول فرمائے اور انہیں نیکیوں کی مزید توفیق اور برائیوں سے اجتناب کی ہمت عطا فرمائے[1]

[1] حلقہ سمن آباد سے منسلک ایک نوجوان طالب علم کا تذکرہ بھی ان شاء اللہ قارئین کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو گا۔ یہ نوجوان انجینئرنگ یونیورسٹی کے طالب علم ہیں اور سمن آباد سے کم از کم سات میل دور رہتے ہیں۔ لیکن انتہائی باقاعدگی کے ساتھ درس میں مسلسل شرکت کرتے رہے۔ اور جب تعطیلات کی وجہ سے لاہور سے باہر جانے لگے تو باصرار مجھ سے وقت لے کر ابتدائی چند درس جن میں ان کی شرکت نہ ہو سکی تھی مکمل کئے۔ واقعہ یہی ہے کہ کام کیا جائے تو اللہ تعالیٰ راہیں خود کھولتا ہے اور پانی موجود ہو تو پیاسے پہنچ ہی جاتے ہیں۔ سخت سردی کے زمانے میں صبح کے وقت اس نوجوان کا چودہ پندرہ میل سائیکل پر سفر معمولی بات نہیں ——— تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

مطالعہ قرآن کا ایک حلقہ دل محمد روڈ کے قریب ایک رفیق کے مکان پر قائم ہوا تھا۔ درمیانی عرصے میں اس کے کام میں تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ اب ڈیڑھ دو ماہ سے اس کا کام بھی دوبارہ باقاعدگی سے شروع ہو گیا ہے۔

کرشن نگر سے بعض احباب سمن آباد کے حلقے میں شرکت کر رہے تھے ان کے اصرار پر ایک حلقہ کرشن نگر میں بھی مزید قائم کر دیا گیا ہے جس میں راقم فی الحال ان ہی منتخب مقامات کا درس دے رہا ہے جن کا سمن آباد میں دیا تھا۔ اس حلقے کی حاضری بھی حوصلہ افزا ہے اور اس میں زیادہ تر نوجوان طلبہ شریک ہو رہے ہیں۔ جن کو عربی پڑھانے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہفتہ میں تین روز عربی کی شبینہ کلاسز کا اجرا کر دیا گیا ہے ——

یہ ایک سعی ہے ہماری جانب سے اس امر کی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں۔ ان کے اذہان پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو جائے اور ان کے قلوب میں اس کی محبت جاگزیں ہو جائے۔ یہی اس کی کامیابی اور اس کا "اتمام" تو یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے (السعیُ مِنّا والاتمام مِنَ اللّٰہ) —— اسی کی توفیق شامل حال ہوئی تو ہم ان کاموں کی ابتدا کر پائے۔ اور اسی کی تائید و نصرت سے یہ جاری رہ سکے گا۔ —— وَاٰخِرُ دعوانا اَنِ الحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین

بقیہ: تصوف میں ...... از صفحہ ۵۶

چنانچہ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:۔

جو غیرِ خدا کو مانتا ہو وقتِ ورد ؛ اکبر بخدا کہ وہ مسلماں ہی نہیں

تصوّف تو نام ہی ہے لوح دل سے نقشِ غیر کو مٹانے کا جو تصوف غیر اللہ کے نام کو دل میں جاگزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ یہ ذکر پنج فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو یعنی مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر جو در اصل شرک ہے کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی اور مل بھی کیسے سکتی تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہو گی اور ذاکر اطمینانِ قلب سے محروم ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں۔

(جاری)

مولانا امین احسن اصلاحی

تدبّرِ قرآن

کام کی رفتار — اور — ایک قابلِ توجہ امر

کام کی رفتار

تدبر قرآن کا کام بحمد اللہ پوری پابندی سے جاری ہے۔ میں دوسرے تمام کاموں سے بالکل الگ ہو کر اب ہمہ تن اسی کے لئے وقف ہو گیا ہوں۔ اس کام کے سوا اب دوسرے کسی کام میں جی بھی نہیں لگتا اب یہی زندگی کا آخری کام اور یہی زندگی کی آخری آرزو ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر خاتمہ کرے اور خاتمہ بالخیر ہو۔

دوسری جلد جو سورۂ نساء اور مائدہ کی تفسیر پر مشتمل ہو گی، بالکل تیار ہے۔ جو کام میرے کرنے کے تھے وہ انجام پا چکے ہیں۔ اب مرحلہ اس کی طباعت کا ہے اس کے لئے وسائل و اسباب کی ضرورت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ مہیا فرما دے گا کتاب پریس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ ابھی تک کوئی ایسی شکل سامنے نہیں آئی ہے جس کے اعتماد پر کتاب کی اشاعت کے باب میں کوئی وعدہ کیا جا سکے۔ اگرچہ پہلی جلد کے مقابل میں اس کا حجم کم ہو گا یعنی پانچ سو صفحے سے زائد نہ ہو گی تاہم جلد اول کے معیار پر اس کو چھاپنا ایک اہم کام ہے۔ میں تو پہلی ہی جلد کے چھپنے سے مایوس تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا سامان فرما دیا اور میری توقعات سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔ اسی طرح اگر اس کو منظور ہو گا تو اس جلد کی طباعت کا انتظام بھی ہو جائیگا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اب میں تیسری جلد پر کام کر رہا ہوں۔ یہ قرآن کے دوسرے گروپ یعنی انعام سے براءت تک کی سورتوں پر مشتمل ہو گی۔ انعام کی تفسیر پچھلے ماہ بحمد اللہ اتمام کو پہنچی۔ اب اعراف کی تفسیر زیر قلم ہے اس کے مشکل حصوں سے فارغ ہو چکا ہوں —— اس وجہ سے امید یہ ہے کہ حالات مساعد رہے تو اگست کے آخر تک اس سے فراغت ہو جائے گی۔ اس کے بعد انفال اور براءت کی باری ہے۔ فیصلہ تو اللہ کے اختیار میں ہے ویسے اپنا اندازہ یہ ہے کہ رسال کے آخر تک یہ جلد بھی مکمل ہو جائے گی۔ یہ جلد پہلی جلد کی طرح ضخیم ہو گی۔ بلکہ امکان اس کا بھی ہے کہ اس کی ضخامت اتنی بڑھ جائے کہ یہ دو حصوں میں تقسیم کرنی پڑے۔

تفسیر کے قدردان مجھ سے یہ اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اب اس کام کے سوا کسی اور کام پر میں اپنا وقت صرف نہیں کروں گا۔ ان کے اطمینان کے لئے عرض کرتا ہوں کہ میری ذاتی دلچسپی تو اس کام

کے سوا اب کسی کام سے باقی نہیں رہی ہے لیکن یہ دنیا مکروہات کا گھر ہے اس میں وہی نہیں ہوتا جو انسان چاہتا ہے۔ بے شمار غیر مطلوب چیزوں سے بھی سابقہ پیش آتا ہے اور بسا اوقات وقت اور فکر کا کچھ حصہ ان کی نذر بھی کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں اتنا مضبوط آدمی نہیں ہوں کہ حالات و مشکلات کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتا چلا جاؤں۔ بس مخلصین یہ دعا کرتے رہیں کہ اللہ کی تائید و توفیق شامل حال رہے۔

تدبر قرآن جلد اول کیلئے طلبا اور اساتذہ کی درخواستیں

تدبر قرآن جلد اول کے لئے ہمارے پاس وقتاً فوقتاً دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کی درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ بعض حضرات کتاب ہدیۃً طلب فرماتے ہیں بعض قیمت میں غیر معمولی رعایت کی فرمائش کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے تمام قدردانوں سے دلی ہمدردی ہے اور اس طرح کی کوئی خواہش بالخصوص دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ کی طرف سے نظر انداز کرتے ہوئے ہم کو سخت قلق ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کتاب کے ناشر۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ نے کتاب کی کتابت و طباعت اور اس کی تحسین و تزئین پر اتنی فیاضی سے روپیہ خرچ کیا ہے کہ اس میں تجارتی پہلو بالکل نظر انداز ہو گیا ہے۔ ہر مصنف یہ چاہتا ہے کہ اس کی کتاب بہت اچھی چھپے۔ میرے اندر بھی دنیا کی دوسری خواہشوں کی طرح یہ خواہش موجود ہے اس وجہ سے مجھے کتاب کو اس اہتمام سے چھپتے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور میں نے ڈاکٹر صاحب کے ذوق و شوق میں کوئی مداخلت پسند نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب تو بحمد اللہ اچھی چھپ گئی، جو بھی دیکھتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے لیکن کاروباری پہلو سے اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس پر لگی ہوئی ساری رقم اگر واپس آجائے، جس کی کوئی توقع نہیں ہے، تو اسی رقم سے دوسری جلد کی طباعت کا انتظام ہو جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب سلمہٗ میری ہی طرح ایک بے مایہ آدمی ہیں لیکن خوب سے خوب تر کی تلاش کا مرض جس طرح میں ہوں کچھ مجھ سے زیادہ ان کو ہے (بعض وجوہ سے) یہ چیز بری ہے یا بھلی؟ اس بحث کو اس وقت نظر انداز کیجیے اس کا ظاہری نتیجہ جو سامنے آیا وہ یہ ہے کہ یہ کتاب میں اپنے کسی دوست یا مخدوم کو ہدیۃً پیش نہ کر سکا۔ اور نہ غالباً ڈاکٹر صاحب کر سکے بس زیادہ سے جو ہو سکا وہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کے حیاتی نے کچھ نسخے خرید کر اپنی طرف سے بعض حضرات کو ہدیہ کیے اور اسی طرح میرے دو دوستوں نے دو ایک نسخے بعض دینی ۔۔۔۔۔ اداروں کو اپنے خرچ پر نذر کیے۔ اس وقت میرے پاس ایسے متعدد لوگوں کی درخواستیں موجود ہیں جو یا تو قیمت میں رعایت کے طلب گار ہیں یا مفت چاہتے ہیں۔ میں دینی ادارو ں کے اساتذہ و طلبہ کے حالات سے شخصاً واقف ہوں اس وجہ سے میں ان کو مستحق سمجھتا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ ان کی خواہش پوری کی جائے لیکن اس وقت نہ میں اس پوزیشن میں ہوں کہ ان کی ۔۔۔۔۔

کی یہ خواہش پوری کر سکوں۔ نہ ڈاکٹر صاحب۔ البتہ اس کی ایک شکل ہے وہ یہ کہ تفسیر کے قدردانوں میں سے کچھ ایسے لوگ، جو اس مقصد کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے ہوں ہمیں اس کام کے لئے عطیے دیں اور ہمیں یہ اجازت دیں کہ ہم جن کو مستحق سمجھیں ان کو کتاب بھجوا دیں۔ میں یہ اپیل بہت سوچ بچار کے بعد مجبور ہو کر کر رہا ہوں۔ امید ہے یہ رائیگاں نہ جائے گی۔

"میثاق" کے پرانے پرچوں میں سے

- اس کے اولین دور — زیر ادارت مولانا امین احسن اصلاحی — کے پندرہ شمارے اور
- دورِ جدید — زیر ادارت ڈاکٹر اسرار احمد — کے جولائی ۶۶ء تا دسمبر ۷۶ء کے ۱۸ شماروں پر مشتمل چند مجلد فائل تا حال دستیاب ہو سکتے ہیں۔

—— (ان فائلوں کے مشمولات کی فہرست مفت طلب فرمائیں) ——

قیمت: فائل دور اول: غیر مجلد ۔۔۔ ۹۰ روپے اور مجلد ۔۔۔ ۱۲۰ روپے
فائل دور ثانی: مجلد ۔۔۔ ۱۰۰ روپے۔ محصول ڈاک ان کے علاوہ)

اس کے علاوہ مارچ ۷۶ء سے مارچ ۱۹۷۸ء تک
تدبر قرآن تفسیر سورۂ نساء مکمل شائع ہوئی ہے

خوش قسمتی سے ان تمام شماروں کی ایک محدود تعداد تسلسل کے ساتھ دفتر میں موجود ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتابی صورت میں اس کی طباعت و اشاعت کا مرحلہ کب آئے۔ لہٰذا تدبر قرآن کے قدردان جلد از جلد ان شماروں کو حاصل فرمائیں۔ بعض اشاعتوں کی تعداد بہت ہی قلیل ہے لہٰذا تھوڑی سی تاخیر بھی محرومی کا سبب بن سکتی ہے۔

قیمت: مع اخراجات پیکنگ و محصول ڈاک ۔۔۔ ۱۱ روپے

نوٹ: جن حضرات کے فائل نامکمل ہوں وہ حسب ضرورت شمارہ ۵۰ پیسے کے ڈاک کے ٹکٹ ارسال کر کے پرچے طلب فرمائیں ہم کوشش کریں گے کہ ان کی فرمائشوں کی تعمیل ہو جائے اگرچہ ہم اس کا پختہ وعدہ نہیں کر سکتے اس لئے کہ اس معنی بعض اشاعتیں دفتر میں نہایت ہی قلیل تعداد میں ہیں اور ان کے ضمن میں ہمیں مکمل فائل طلب کرنے والوں کی تعمیل کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

منیجر —— ماہنامہ میثاق —— لاہور

ہم سے طلب فرمائیے

احادیث نبوی ؐ کا ایک نیا اور جامع انتخاب

"مَعارفُ الحَدیث"

معہ اردو ترجمہ و تشریح ------ از قلم مولانا محمد منظور نعمانی، مدیر الفرقان۔ لکھنؤ

احادیث نبوی ؐ کا محفوظ ذخیرہ امت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے قائم مقام ہے
ایک صاحب ایمان اس کے مطالعے کے وقت تصور کے راستے سے مجلس نبوی میں پہنچ جاتا ہے آپ کے
ارشادات سنتا ہے اور آپ کے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے۔

مولانا نعمانی نے احادیث کے مستند مجموعوں سے گہرے غور و فکر کے بعد وہ حدیثیں منتخب کیں جن کا انسان کی
فکری، اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امت کے لئے ہدایت کا خاص سامان ہے۔

پھر ان کی ترتیب اور ترجمہ و تشریح میں زمانی نفسیات اور آج کے فکری ماحول کو خاص طور سے سامنے رکھا اور
عالمانہ یا مدرسانہ بحثوں کی بجائے مطمح نظر بس یہ رکھا کہ پڑھنے والے کا ذہن مطمئن اور دل متاثر ہو اور اس میں اتباع کا
جذبہ اور کسی درجہ میں وہ ذوق عمل پیدا ہو جو صحابہ کرام ؓ میں آپ کے ارشادات سے پیدا ہوتا تھا۔

الحمد للہ اس سلسلہ کی چار جلدیں عمدہ سفید کاغذ اور بڑے کتابی سائز پر حسین کتابت و طباعت کیساتھ شائع ہو چکی ہیں

جلد اول: کتاب الایمان۔ یعنی ایمان آخرت۔ قیامت۔ حشر۔ صراط۔ میزان۔ حساب۔ جنت۔ دوزخ وغیرہ سے متعلق
حدیثیں .... ۲۸۸ صفحات قیمت ۵/۵۰ روپے۔

جلد دوم: کتاب الرقاق والاخلاق۔ یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں۔ اس جلد کا خاص موضوع دین
کا وہ شعبہ ہے جو سلوک اور تصوف کا موضوع ہے۔ ۳۴۰ صفحات قیمت ۶/۲۵ روپے

جلد سوم: کتاب الطہارت والصلوٰۃ۔ یعنی طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں۔ اس جلد کی جامعیت کا اندازہ
مطالعے کے بعد ہی ہو سکتا ہے .... ۴۳۲ صفحات۔ قیمت ۷/۵۰ روپے

جلد چہارم: کتاب الزکوٰۃ والصوم والحج۔ یعنی زکوٰۃ، روزہ، رمضان اور حج کے ابواب کی حدیثیں۔ ۴۹۲ صفحات قیمت ۷/۵۰
ہر جلد کے شروع میں مقدمہ ہے جو بجائے خود علمی و عرفانی تحفہ ہے جس کے مطالعہ سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے

نوٹ: محصول ڈاک اس کے علاوہ ہوگا۔

دارالاشاعت الاسلامیہ ------ امرت روڈ کرشن نگر لاہور۔۱

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ مائدہ

۴

۱۰۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۷-۳۱

آگے آدم ؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بیان ہوا ہے۔ یہ قصہ یوں مذکور تو تورات میں بھی ہے لیکن تورات کے عام انداز کے مطابق اس کی نوعیت بس نسل آدم ؑ کی ابتدائی تاریخ کے ایک قصہ کی ہے۔ اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کے اندر وہ کیا حکمت و موعظت ہے جس کے لیے یہ قصہ بیان ہوا ہے۔ اور تورات کی کسی اہم اور بنیادی تعلیم اس حقیقت پر مبنی ہے جو اس قصے کے اندر مضمر ہے اور جس کو نظر انداز کر دینے کے سبب سے یہود رحمان کے بجائے شیطان کی راہ پر چل پڑے۔ قرآن نے اس قصے کو اس کی حکمت و موعظت کے ساتھ بیان فرمایا اور اس کے ان حصوں کو بھی واضح کیا جو تورات کے راویوں نے ضائع کر دیئے تھے حالانکہ وہ سبق آموزی کے لیے نہایت ضروری تھے۔ یہ قصہ یہاں قرآن میں جن حقائق کو واضح کرنے کے لیے بیان ہوا ہے ان کی تفصیل تو آیات کی تفسیر کے ضمن میں آئے گی لیکن چند اصولی باتوں کی طرف ہم اشارہ کئے دیتے ہیں تاکہ سلسلہ کلام سمجھ میں آ جائے۔

سب سے پہلے تو یہ حقیقت اس سے واضح ہوتی ہے کہ عہد الٰہی پر قائم رہنے کے لیے مقدم شے یہ ہے کہ آدمی کے اندر خدا کا ایسا خوف ہو جو سخت سے سخت آزمائش کے موقع پر بھی اس کے قدم کو راہ حق پر استوار رکھے۔

دوسری یہ کہ نقض عہد کا باعث وہ فاسد جذبات ہیں جو شیطان کی انگیخت سے پیدا ہوتے

ہیں، اور بالآخر وہ انسان کو ایسے جرائم پر آمادہ کر دیتے ہیں جو عہدِ الٰہی کے بالکل منافی ہوتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جس طرح اللہ کے نیک بندے ۔ یوشع اور کالب ۔ عام فسادِ اخلاق و کردار کے باوجود اللہ کے عہد پر استوار رہے، انہوں نے اپنی جان کی پروا نہیں کی اسی طرح اللہ کے نیک بندے ۔ ہابیل ۔ نے اپنے بھائی قابیل کے ظلم و تعدی کے مقابل میں اپنے آپ کو حق و عدل پر استوار رکھا اور قابیل کی دشمنی ان کو حق و عدل سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ اس حق و عدل کی حفاظت میں انہوں نے اپنی جان قربان کر دی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ 'ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی' اور 'کونوا قوامین شہداء بالقسط' کے علم برداروں کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ اس راہ کا سب سے پہلا شہید آدم کا بیٹا ہابیل ہے جس نے اپنے عمل سے بعد کی نسلوں کے لیے یہ زندہ جاوید مثال قائم کی کہ حق پر مرجانا باطل پر زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

چوتھی یہ کہ خدا پر ایمان، خدا کی عبادت، عبادت کے لیے اخلاص و تقویٰ کی شرط، عدل کا تصور، قتلِ نفس کا جرم ہونا، جنت اور دوزخ کا عقیدہ۔ یہ سب چیزیں انسان کی ابتدائے آفرینش سے اس کے فکر و عمل کا جزو ہیں۔ ان کا عہد جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور اس کی امت سے لیا ہے اسی طرح آدمؑ اور ان کی ذریت سے بھی لیا تھا۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی پوری پوری تردید ہو رہی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائی انسان حق و عدل کے ان تصورات سے بالکل خالی تھا جو اب اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان ایک طویل ذہنی و اخلاقی سفرِ ارتقا کے بعد ان تصورات تک پہنچا ہے، پہلے وہ ان چیزوں سے بالکل محروم تھا۔ ہم اس خیال کے باطل ہونے پر دوسرے مقام میں تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں[1]۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ
أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ
اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ ۲۷ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ
إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ ۲۸ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب 'حقیقتِ شرک' کے آخری مباحث اور 'اسلامی قانون کی تدوین' کا پہلا باب۔

وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ ۲۹
فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ۳۰
فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ
أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ
سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ۝ ۳۱

اور ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کی سرگزشت اس کی حکمت کے ساتھ سناؤ۔ جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں ہوئی۔ وہ بولا کہ میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تو صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر دست درازی کرو گے تو میں تم کو قتل کرنے کے لیے تم پر دست درازی کرنے والا نہیں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور اپنا گناہ دونوں تمہی لے کر لوٹو اور جہنم والوں میں سے بنو، یہی سزا ہے ظالموں کی۔ ۲۷ - ۲۹

بالآخر اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا اور وہ اس کو قتل کر کے نامرادوں میں سے ہو گیا۔ پھر خدا نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین میں کریدتا تھا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ وہ بولا کہ ہائے میری کم بختی! کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو ڈھانک دیتا۔ سو وہ اس پر شرمسار ہوا۔ ۳۰ - ۳۱

۱۱- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (۲۷)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ: عَلَيْهِمْ میں ضمیر کا مرجع اہلِ کتاب بالخصوص یہود ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ واقعے میں جو موعظت و نصیحت ہے وہ عام ہے، وہ

جس طرح یہود کے لیے سبق آموز ہے اسی طرح اس امت کے لیے بھی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا واقعہ اس امت کے لیے بطور مثال بیان ہوا ہے تو ان میں سے اچھے کی مثال کی پیروی کرو۔ تاہم اس کا براہ راست خطاب یہود ہی سے ہے کیونکہ یہود نے اس امت کے معاملے میں بالکل وہی روش اختیار کی جو قابیل نے ہابیل کے معاملے میں اختیار کی۔ جس طرح ہابیل کی عنداللہ مقبولیت سے قابیل پر حسد کا بخار چڑھا تو وہ حق و عدل کا خون کرنے اترا، اسی طرح یہود نے جب اس امت پر رب کی نوازش دیکھی تو وہ حسد کے جنون میں ایسے بوکھلائے کہ بدبختی و شقاوت کی آخری حد کو پہنچ گئے۔

«نبأ» کسی اہم حادثے اور واقعے کی خبر کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ اس آسمان کے نیچے، عدل و ظلم، وفاداری و عہدشکنی، خداترسی اور تعدی کی کشمکش کا سب سے پہلا واقعہ ہے اور بالکل پہلی بار خدا کی اس زمین پر حق کی راہ میں ایک حق پرست کا خون ناحق بہا، اس وجہ سے قرآن نے اس کو «نبأ» سے تعبیر فرمایا تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو سکے۔

بالحق کا مفہوم

«بالحق» سے مقصود، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، ٹھیک ٹھیک اور حکمت و موعظت کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے سنانا ہے۔ واقعات اگر محض داستاں سرائی کے لئے بیان کئے جائیں تو یہ ایک کار عبث ہے۔ ان کے بیان کا نفع صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب وہ اس حکمت و موعظت کے ساتھ بیان کئے جائیں جو ان کے اندر مضمر ہے اور ٹھیک ٹھیک بیان کئے جائیں۔ تورات میں یہی مصیبت ہے کہ نہ تو واقعات ٹھیک ٹھیک بیان ہوئے ہیں اور نہ ان سے وہ حکمت و نصیحت ہی واضح ہوتی ... جو واضح ہونی چاہیئے۔ یہی حال ہماری بیشتر تاریخ کی کتابوں کا ہے جس کے سبب سے تاریخ کا فن ایک بالکل بیکار فن بن کے رہ گیا ہے۔ ہم مذکورہ واقعہ یہاں تورات سے نقل کرتے ہیں۔ اس کو پڑھیئے اور پھر قرآن کے بیان سے مقابلہ کر کے اس کو دیکھیئے تو اس سے خود اندازہ ہو جائے گا کہ «بالحق» بیان کرنے کا مقصد کیا ہے۔ تورات میں یہ واقعہ یوں بیان ہوا ہے۔

تورات میں ہابیل و قابیل کا قصہ

> اور آدم اپنی بیوی حوا کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور اس کے قائن پیدا ہوا۔ تب اس نے کہا مجھے خداوند سے ایک مرد ملا۔ پھر قائن کا بھائی ہابل پیدا ہوا۔ اور ہابل بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور قائن کسان تھا۔ چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے پھل کا ہدیہ خداوند کے واسطے لایا۔ اور ہابل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل اور اس کے ہدیے کو منظور کیا۔ پر قائن کو اور اس

> کے ہدیے کو منظور نہ کیا۔ اس لیے قائن نہایت غضبناک ہوا اور اس کا منہ بگڑا۔ اور خداوند نے قائن سے کہا تو کیوں غضبناک ہوا؟ اور تیرا منہ کیوں بگڑا ہوا ہے؟ اگر تو بھلا کرے تو کیا تو مقبول نہ ہوگا؟ اور اگر تو بھلا نہ کرے تو گناہ دروازے پر دبکا بیٹھا ہے اور تیرا مشتاق ہے پر تو اس پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل کو کچھ کہا اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قائن نے اپنے بھائی ہابل پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ تب خداوند نے قائن سے کہا کہ تیرا بھائی ہابل کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں، کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہوں؟ پھر اس نے کہا تو نے یہ کیا کیا؟ تیرے بھائی کا خون زمین سے مجھ کو پکارتا ہے۔ اور اب تو زمین کی طرف سے لعنتی ہوا جس نے اپنا منہ پسارا کہ تیرے ہاتھ سے تیرے بھائی کا خون لے۔ جب تو زمین کو جوتے گا تو اب وہ تجھے اپنی پیداوار نہ دے گی اور زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ ہوگا۔ (کتاب پیدائش باب ۴: ١-١٢)

قرآن اور تورات کے بیان میں واضح فرق

یہ بیان قرآن کے بیان سے یوں تو کئی پہلوؤں سے مختلف ہے، اگر ہمیں اپنے دائرہ بحث سے ہٹ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ان کی طرف اشارہ کرتے لیکن ایک چیز تو ایسی واضح ہے کہ بالکل پہلی ہی نظر میں سامنے آتی ہے کہ تورات میں ہابیل کے کردار کے وہ سارے پہلو غائب ہیں جو اس سرگزشت کی جان اور تمام عالم انسانی کے لیے نمونہ اور مثال ہیں۔ قرآن نے چونکہ اس سرگزشت کو «بالحق» پیش کیا ہے اس وجہ سے ان پہلوؤں کو اس نے اچھی طرح نمایاں کیا ہے اور ہر انصاف پسند اعتراف کرے گا کہ ان کے نمایاں ہونے سے ہابیل کی سرگزشت نے «قائمین بالقسط» کے سلسلۃ الذہب کی بالکل پہلی کڑی کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ قابیل کے کردار کو بھی تورات میں بالکل ادھورا پیش کیا گیا ہے۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے اس کے کردار کے بعض ایسے گوشے بے نقاب کئے ہیں جو شریعت الٰہی کے بعض احکام کی حکمت و مصلحت سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس نظر سے دیکھیئے تو معلوم ہوگا کہ وہی باتیں جو تورات کے ذخیرے میں بالکل خزف ریزوں کی شکل میں نظر آتی ہیں قرآن میں آکر جواہرات کی طرح چمک اٹھی ہیں۔

قابیل کی قربانی کی عدم قبولیت

اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر۔ «قربان» کا لفظ صدقہ اور قربانی دونوں کے لیے آتا ہے۔ جو چیز بھی اللہ کے حضور بقصد قرب الٰہی پیش کی جائے وہ قربان ہے۔ یہاں قرآن نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ ہابیل اور قابیل کو قبولیت اور عدم قبولیت کا پتہ کس طرح چلا اس لیے کہ یہ وضاحت قرآن کے پیش نظر مقصد کے لحاظ سے غیر ضروری تھی۔ لیکن تورات کے

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خبر خداوند نے دی تھی۔ خداوند کی بات سننے اور جاننے کا ایک ذریعہ ہاتف غیب بھی ہے۔ تورات میں اس کا ذکر بہت سے مقامات میں آیا ہے۔

قابیل پر حسد کا دورہ

'قَالَ لَاَقْتُلَنَّکَ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ' قابیل کو یہ معلوم کر کے کہ اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی بجائے اس کے کہ اپنی نیت کے کھوٹ کی طرف توجہ ہوتی، غصہ ہابیل پر آیا کہ اس کی قربانی کیوں قبول ہوئی۔ حالانکہ اس کی قربانی قبول نہ ہونے میں ہابیل کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ اس میں سارا قصور خود اس کا اپنا تھا۔ لیکن جب آدمی پر حسد کا دورہ پڑتا ہے تو اس کو اپنی نالائقیاں نظر نہیں آتیں بلکہ وہ اپنی تمام ناکامیوں کے اسباب دوسروں کے اندر ڈھونڈتا ہے اور اس غصے میں ان کے درپئے انتقام و آزار ہو جاتا ہے۔ افراد میں اس بدبختانہ کردار کی سب سے پہلی مثال قابیل نے پیش کی ہے اور اقوام میں یہود نے۔ اسی وجہ سے جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ سرگزشت یہود کو سنائی گئی ہے کہ اس آئینے میں وہ ذرا اپنے منہ دیکھ لیں کہ آج بھی ہابیل و قابیل کا وہی قصہ دہرایا جا رہا ہے جو بہت پہلے پیش آ چکا ہے اور جس کی روایت بھی دنیا کو یہود ہی کے واسطے سے پہنچی ہے۔

'اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ'۔ یہ ہابیل کی زبان سے وہی حکمت بیان ہوئی ہے جو قرآن میں لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم (۳۷۔ حج) کے الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔ یہ بات ہابیل نے قابیل کو اصل حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے لئے کہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس غصے میں کہ تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی میرے قتل کے درپئے ہو گئے ہو حالانکہ اس میں نہ قصور میرا ہے، نہ خداوند کا ہے بلکہ سراسر قصور تمہارا اور تمہاری قربانی کا ہے۔ خداوند کے ہاں قربانی درخور قبول وہ ٹھہرتی ہے جو خدا سے ڈرنے والے بندے قربانی کے آداب و شرائط کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ ضابطہ جس طرح تمہارے لیے ہے اسی طرح میرے لیے بھی ہے تو قربانی رد ہونے کا غم و غصہ ہے تو فکر تقویٰ کی کرو، نہ کہ میرے قتل کرنے کی۔ میرے قتل کرنے سے تمہاری قربانی کی قبولیت کی راہ کس طرح کھلے گی!۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۸)

'بسط ید' کے معنی ہاتھ بڑھانے اور دست درازی کرنے کے ہیں۔ یہاں بارادۂ قتل ہاتھ بڑھانے کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کے معنی اقدام قتل کے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم، جیسا کہ دھمکی دے رہے ہو، میرے قتل کے لیے اقدام کرنا چاہتے ہو تو میں یہ فرض کر کے کہ تم میرے قتل کے درپے ہو، تمہارے قتل کے لیے پہل کرنے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں جس نے مجھ کو اور تم کو دونوں کو

پیدا کیا ہے، اور جس نے ایک دوسرے کے جان و مال کے احترام کی ہدایت کائی ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں کھلے ہوئے دینی دشمن کے ساتھ میدان جنگ میں مقابلے کی صورت نہیں بلکہ بھائی اور بھائی کا معاملہ ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔ اس صورت میں صحیح مومنانہ رویہ یہی ہے کہ آدمی یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا کوئی بھائی اس کے قتل کے درپے ہے اس کے قتل کے لیے پہل نہ کرے۔ لیکن "پہل نہ کرے" یہ نہیں کہ اپنا بچاؤ بھی نہ کرے۔ ہابیل نے پہل کرنے کی نفی کی ہے، بچاؤ کی نفی نہیں کی ہے۔ اپنی جان یا اپنے مال کی مدافعت کرنا خوف خدا کے منافی بات نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک شخص اگر مجھ سے میرا مال چھیننا چاہتا ہے تو میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ ارشاد ہوا اس کو خدا کا خوف دلاؤ، سائل نے کہا، اگر وہ خدا کا خوف نہ مانے، ارشاد ہوا اپنے گردوپیش کے مسلمانوں سے اس کے مقابلے کے لیے مدد چاہو۔ سائل نے کہا، اگر میرے گردوپیش ایسے لوگ نہ ہوں۔ ارشاد ہوا پھر حکومت سے مدد چاہو۔ سائل نے کہا اگر حکومت کے ذمہ دار بھی دور ہوں۔ ارشاد ہوا اپنے مال کی حفاظت کے لیے لڑو تا آنکہ اپنے مال کو بچا لو یا شہید ہو جاؤ۔

اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ (۲۹)

'باثمی واثمک'، دونوں میں مضاف محذوف ہے۔ یعنی میں تمہارے قتل میں پہل اس لیے نہیں کرنا چاہتا کہ میں کوئی بارگناہ اپنے سر لیے ہوئے اپنے رب کی طرف پلٹنا نہیں چاہتا۔ اگر تم اس جرم کے لیے پہل کرنا چاہتے ہو اگر تم مجھے قتل کر دوگے تو میرے قتل کا بارگناہ بھی تمہارے سر ہوگا۔ اور میری طرف سے مدافعت کے نتیجے میں اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا یا تم قتل ہو گئے تو اس کا بارگناہ بھی تمہارے ہی سر ہوگا، اس لیے کہ اس کا سبب میں نہیں بلکہ تم ہی ہو گے۔ یہ اس اصول عدل کی طرف اشارہ ہے جو ایک حدیث میں 'فعلی البادی مالم یعتد المظلوم' کے الفاظ سے بیان ہوا ہے یعنی اگر مظلوم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے تو جو کچھ اسے اپنی عزت کی حفاظت کے لیے کرنا پڑا ہے اس کا بارگناہ پہل کرنے والے پر ہے۔ 'باثمی' کے ساتھ 'باثمک' مماثلت کے اس اصول پر فرمایا ہے جو عربی زبان میں نہایت معروف ہے مثلاً 'دناھم کما دانوا' یا 'جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا'۔

قتل مومن کی سزا جہنم

'فتکون من اصحاب النار وذلک جزاء الظلمین'، قتل مومن، جب کہ عمداً ہو، کی سزا جہنم ہے۔ اس مسئلے پر سورہ نساء کی آیت ۹۳ کے تحت تفصیل سے ہم لکھ چکے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کی سزا ابتدا سے شریعت الٰہی میں یہی معروف ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهُ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۳۰-۳۱

فوز و نامرادی

'فطوعت له نفسه قتل اخیه' کے معنی ہوں گے، اس کے نفس نے اس کو بالآخر اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا۔ اس اسلوب بیان سے اس اندرونی کشمکش کا اظہار ہو رہا ہے جو اول اول اس ارادۂ قتل سے اس کے اندر پیدا ہوئی۔ انسان کے اندر قدرت نے ایک نفس لوامہ ودیعت فرمایا ہے جو اس وقت تک کسی ارادۂ جرم کے خلاف احتجاج کرتا ہے جب تک مختلف تاویلوں اور بہانوں سے آدمی اس کی زبان بند نہ کر دے۔ قابیل کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا لیکن بالآخر اس کے حسد نے اس کو اس ہولناک جرم پر آمادہ کر ہی لیا۔ ابتداءً ہر مجرم کو یہ جھجک پیش آتی ہے لیکن جب وہ جرم پر جرم کیے چلا جاتا ہے تو اس کا نفس لوامہ یا بالفاظ دیگر اس کا ضمیر بالکل مردہ ہو جاتا ہے اور وہ جرائم کے لیے بالکل بے باک ہو جاتا ہے۔

'فاصبح من الخاسرین' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کی ہر کشمکش انسان کے سامنے آزمائش کا ایک میدان کھولتی ہے جس میں اس کے لیے نامرادی اور فتحمندی دونوں کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اگر انسان اس کشمکش میں اپنے نفس کو زیر کرلے تو وہ فتحمند رہتا ہے اور اس کا نفس شکست کھا جاتا ہے۔ اور اگر نفس اس کو زیر کرلے تو اس کا نفس فتحمند رہتا ہے اور وہ خود نامراد ہو جاتا ہے۔ قابیل پر اس کا نفس غالب آگیا اس وجہ سے وہ نامراد ہوا۔

فبعث اللہ غرابا الآیۃ قتل کے بعد قابیل نے، معلوم ہوتا ہے، اپنے بھائی کی لاش یوں ہی چھوڑ دی تھی، اس کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اتنے میں ایک کوا نمودار ہوا۔ کوا بڑا سیانا ہوتا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی کھانے کی چیز اچکتا ہے اور بروقت اس کو کھانا نہیں چاہتا تو زمین کرید کر یا کسی محفوظ چیز کے نیچے اس کو ضرورت کے وقت کے لیے چھپا لیتا ہے۔ اس کوے نے بھی قابیل کے سامنے یہی نمائش کی اور اس طرح گویا اس کو رہنمائی دی کہ وہ بھی اسی طرح اپنے بھائی کی لاش چھپا دے کہ دوسروں کی نظر نہ پڑے اور اس کا جرم افشا نہ ہو۔ کوے کے اس سیانے پن کو دیکھ کر قابیل نے اپنا سر پیٹ لیا کہ ہائے میری بدبختی کہ میں کوے سے بھی گیا گزرا ثابت ہوا کہ یہ تدبیر مجھے نہ سوجھی کہ میں بھی اسی طرح بھائی کی لاش کو ڈھانک دیتا۔ چنانچہ اپنی اس بے وقوفی پر اس کو بڑی ندامت ہوئی۔

قرآن نے اس ٹکڑے سے یہ نمایاں کیا ہے کہ جو خدا سے نہیں ڈرتے وہ خلق سے ڈرتے ہیں اور جو خدا کے حکم اور ضمیر کی آواز کی پروا نہیں کرتے وہ کوے سے الہام حاصل کرتے اور جرم کرنے کے بعد اعتراف اور ندامت کے بجائے اس کو چھپانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ کوا شیطان کی مثال ہے۔ شیطان نے پہلے تو قابیل کے نفس کے اندر وسوسہ اندازی کر کے اس کو بھائی کے قتل پر آمادہ کیا اور جب وہ یہ جرم کر گزرا تو کوے کے واسطے سے اس کو جرم کے چھپانے کی تدبیر سکھائی اور اس طرح اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی جو قسم اس نے کھائی تھی اس کی تکمیل کی راہ میں ایک نہایت کامیاب قدم اس نے اٹھایا۔

یہاں کوے کو بھیجنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جو فرمائی ہے تو یہ درحقیقت اس سنت اللہ کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے جس کے تحت یہ فعل ظہور میں آیا۔ اس کی متعدد مثالیں پچھلے صفحات میں بیان ہو چکی ہیں۔ وہ سنت اللہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی آیات، اس کے احکام اور اس کی تنبیہات سے اپنے کان اور اپنی آنکھیں بند کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتا ہے جو اس کا ساتھی بن کر اس کو اس کی خواہشات کی وادیوں میں ٹھوکریں کھلاتا پھرتا ہے۔ سورۂ زخرف میں اس سنت اللہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا فهو له قرین (۳۶) (جو خدائے رحمان کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کا شب و روز کا ساتھی بن جاتا ہے)۔ سورۂ فصلت میں ہے۔ وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم ما بین ایدیهم وما خلفهم ۲۵ (پس ہم نے ان کے لئے برے ساتھی مقرر کر دیے جنہوں نے ان کے پیش و عقب کو خوب مزین کر کے دکھایا)۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ہابیل نے قابیل کو بڑی موثر اور دلنشین نصیحتیں بھی کیں اور اپنے قول کی صداقت روز روشن کی طرح ثابت بھی کر دی لیکن اس کا دل ذرا نہ پسیجا۔ ایک ایسے سنگدل کا خدا کی مذکورہ سنت کی زد میں آ جانا ایک امر بدیہی ہے۔

عام طور پر مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ کوا قابیل کو یہ بتانے کے لیے آیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح دفن کرے۔ وہ مدتوں اپنے بھائی کی لاش اپنی کمر پر لادے لادے پھرا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ اس کو کیا کرے۔ بالآخر جب لاش سڑ گئی تب خدا نے ایک کوے کو بھیجا جس نے ایک دوسرے کوے کو قتل کر کے زمین میں دفنایا تب قابیل کو بھائی کی لاش ٹھکانے لگانے کا طریقہ معلوم ہوا۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کے بعد اس عجیب و غریب بات کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

۱۲۔ آگے کا مضمون ۔ آیات ۳۲-۳۴

آگے فرمایا کہ چونکہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے ایک ایسی مخلوق ہے جس کے اندر ہابیل جیسے خدا ترس اور حق و عدل پر قائم رہنے والے بھی ہیں اور قابیل جیسے سنگ دل اور خونی بھی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی شریعت میں قصاص کو ایک جماعتی فرض قرار دیا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ٹھہرے گا۔ پھر اس قانون کی تجدید و یاد دہانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اپنے نبی و رسول بھی بھیجے لیکن اس سارے اہتمام کی بنی اسرائیل نے کوئی پروا نہ کی بلکہ وہ برابر قابیل کی سنت بد کی پیروی میں خدا کی زمین میں فساد و خوں ریزی برپا کئے جا رہے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کی سزا بیان کی ہے جو ایک اسلامی حکومت عادلہ کے اندر رہتے ہوئے اس کے قانون عدل و قسط کو درہم برہم کرنے اور ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، عام اس سے کہ یہ کوشش نام کے مسلمانوں کی طرف سے ہو یا غیر مسلموں کی طرف سے، علانیہ ہو یا درپردہ سازشوں کی شکل میں، جتھہ بندی کرکے ہو، یا گنڈہ گردی کی شکل میں۔ جو مفسدانہ سرگرمی بھی ملک کے سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی نظام کے لیے خطرہ بن جائے اور اس سے قانون اور نظم کا مسئلہ پیدا ہو جائے اس کے استیصال اور اس کے مجرموں کی سرکوبی کے لیے حکومت کے ارباب حل و عقد کو وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں تاکہ قیام عدل کا جو فریضہ ان پر عائد ہوتا ہے وہ اس سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے:۔

آیات ۳۲-۳۴

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ
اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا
بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۳۲
اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا
اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُـقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ
اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۳۳ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۴

ترجمہ

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کیا کہ جس کسی نے کسی کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا ملک میں فساد برپا کیا ہو، تو گویا اس نے سب کو قتل کیا اور جس نے اس کو بچایا تو گویا سب کو بچایا۔ اور ہمارے رسول ان کے پاس واضح احکام لے کر آئے لیکن اس کے باوجود ان میں بہت سے ہیں جو ملک میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔ ۳۲

ان لوگوں کی سزا، جو اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کئے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے باہر نکال دیئے جائیں۔ یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ایک عذاب عظیم ہے۔ مگر جو لوگ تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کرلیں تو سمجھ لو کہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔ ۳۳-۳۴

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ
اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ
اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۳۲

من اجل ذٰلک کا مفہوم

من اجل ذٰلک، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعینہٖ یہ واقعہ حکم قصاص کی فرضیت کا باعث ہوا۔ یہ واقعہ تو، جیسا کہ واضح ہوا، بنی اسرائیل کی تاریخ سے بہت پہلے کا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جان کے بدلے جان کا قانون، کچھ بنی اسرائیل ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہ قانون ہر ملت میں ابتدا سے موجود رہا ہے۔ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں بھی یہ قانون موجود تھا۔ حضرت نوحؑ اور ان کی ذریت کو اس باب میں جو ہدایت ہوئی تھی وہ تورات میں یوں مذکور ہے۔

آدمی کی جان کا بدلہ آدمی سے اور اس کے بھائی بندسے لوں گا۔ جو آدمی کا خون کرے اس کا خون آدمی سے ہوگا۔ کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ پیدائش باب ۹۔ ۵-۶

اس وجہ سے یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ بعینہٖ یہ واقعہ بنی اسرائیل پر حکم قصاص کے وجوب کا باعث ہوا۔ یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہاں مقصود حکم قصاص کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ بنی اسرائیل اللہ کے میثاق کے معاملے میں اتنے جری اور بے باک ہیں کہ یہ جاننے کے باوجود کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کی حفاظت سب کی حفاظت ہے، برابر خدا کی زمین میں فساد برپا کئے چلے جا رہے ہیں، یہی روش ان کی پہلے بھی رہی ہے اور یہی روش ان کی آج بھی ہے۔

اس روشنی میں مِن اجلِ ذٰلک کا اشارہ نفس واقعہ کی طرف نہیں بلکہ شر و فساد کی اس ذہنیت کی طرف ہوگا جس کا قابیل نے اظہار کیا اور جس کا اظہار ان لوگوں کی طرف سے برابر ہوتا رہتا ہے جو اُس کی سنتِ بد کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی کمینہ جذبات اور شیطانی محرکات کے تحت اللہ کے بندوں کا خون بہاتے ہیں اور پھر اعتراف و اقرار اور توبہ و ندامت کے بجائے اپنی ساری ذہانت اس جرم کو چھپانے میں صرف کرتے ہیں۔ ان کو اپنے جرم پر افسوس بھی ہوتا ہے تو اس پہلو سے نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھوں خدا کے بندوں کا سب سے بڑا حق تلف ہوا بلکہ جرم پوشی کی تدبیر میں اگر ان سے کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے تو اس پر انہیں افسوس ہوتا ہے۔

قانون قصاص کی حکمت و عظمت

"انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا" یہ اس اصل حکم کا بیان نہیں ہے جو قصاص کے باب میں یہود کو دیا گیا۔ بلکہ اس کی دلیل اور اس کی حکمت و عظمت بیان ہوئی ہے۔ "جان کے بدلے جان" کا قانون تورات میں بھی ہے اور اس کا حوالہ اس سورہ میں بھی آگے آ رہا ہے۔ یہاں چونکہ مقصود یہود کی شرارت و شقاوت کو نمایاں کرنا ہے اسی وجہ سے قانون قصاص کا اصل فلسفہ بیان فرمایا کہ یہود پر قتل نفس کی سنگینی واضح کرنے کے لیے ان کو یہ حکم اس تشریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ٹھہرے گا لیکن پھر بھی وہ قتل اور فساد فی الارض کے معاملے میں بالکل بے باک ہوگئے۔

قانون قصاص کی لازمی ذمہ داریاں

جو قانون قصاص کی اس فلسفہ کے ساتھ حامل بنائی گئی ہو جس کا ذکر اوپر ہوا، اس پر چند ذمہ داریاں لازماً عائد ہوتی ہیں جن کی طرف ہم یہاں اشارہ کریں گے۔

ایک یہ کہ ہر حادثۂ قتل پوری قوم میں ایک ہلچل پیدا کر دے۔ جب تک اس کا قصاص نہ لیا جائے، ہر شخص یہ محسوس کرے کہ وہ اس تحفظ سے محروم ہوگیا ہے جو اس کو اب تک حاصل تھا۔ قانون ہی سب کا محافظ ہوتا ہے۔ اگر قانون ہدم ہوگیا تو صرف مقتول ہی قتل نہیں ہوا بلکہ ہر شخص قتل کی زد میں ہے۔

دوسری یہ کہ قاتل کی کھوج لگانا صرف مقتول کے وارثوں ہی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ پوری جماعت کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ قاتل نے صرف مقتول ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ سب کو قتل کیا ہے۔

تیسری یہ کہ کوئی شخص اگر کسی کو خطرے میں دیکھے تو اس کو پرایا جھگڑا سمجھ کر نظر انداز کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ اس کی حفاظت و حمایت تا بہ حد مقدور اس کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ اس کے لیے اسے خود جوکھم برداشت کرنی پڑے۔ اس لیے کہ جو شخص کسی مظلوم کی حمایت و مدافعت میں سینہ سپر ہوتا ہے وہ

صرف مظلوم ہی کی حمایت میں سینہ سپر نہیں ہوتا بلکہ تمام خلق کی حمایت میں سینہ سپر ہوتا ہے جس میں وہ خود بھی شامل ہے۔

چوتھی یہ کہ اگر کوئی شخص کسی قتل کو چھپاتا ہے، یا قاتل کے حق میں جھوٹی گواہی دیتا ہے، یا قاتل کا ضامن بنتا ہے، یا قاتل کو پناہ دیتا ہے، یا قاتل کی دانستہ وکالت کرتا ہے یا دانستہ اس کو جرم سے بری کرتا ہے وہ گویا خود اپنے اور اپنے باپ، بھائی بیٹے کے قاتل کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے کیونکہ ایک کا قاتل سب کا قاتل ہے۔

پانچویں یہ کہ کسی مقتول کے قصاص کے معاملے میں مقتول کے وارثوں یا حکام کی مدد کرنا بھی درحقیقت مقتول کو زندگی بخشنا ہے اس لیے کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ قصاص میں زندگی ہے۔

ہم نے یہ اس اصول سے برآمد ہونے والی چند موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مزید غور کیجیے تو اس کی مزید حکمتیں واضح ہوں گی۔ پھر کس قدر قابل ماتم ہے اس قوم کا حال جو اس اصول سے باخبر ہوتے ہوئے قتل و خوں ریزی اور فساد فی الارض میں بالکل بے باک ہوگئی۔!

"ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات، ثم ان کثیرا منھم بعد ذلک فی الارض لمسرفون"، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو یہ فرض بتا دینے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اتمام حجت کے لیے برابر ان کے اندر خدا کے رسول بھی آتے رہے جو نہایت واضح احکام و ہدایات اور نہایت بلیغ اور پرزور تعلیمات و تنبیہات کے ذریعے سے ان کو جگاتے اور جھنجھوڑتے رہے کہ اللہ کے عہد و میثاق کی ذمہ داریوں سے یہ غافل نہ ہو جائیں لیکن اس سارے اہتمام کے باوجود یہ برابر خدا کی زمین میں مختلف قسم کی زیادتیوں کے مرتکب ہوتے رہے۔

افساد و اسراف کا مفہوم

'افساد فی الارض' اور 'اسراف فی الارض' دونوں میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ زمین کا امن اور نظم اس قانون عدل و قسط پر منحصر ہے جو خدا نے اس کے لیے اتارا ہے۔ جس طرح کائنات کے نظام تکوینی میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے اسی طرح اگر اس نظام تشریعی میں، جو اس کے خالق نے اس کے لیے پسند فرمایا ہے، کوئی خلل پیدا کر دیا جائے تو اس کا اجتماعی و معاشرتی اور سیاسی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، پھر نہ تو نظام تکوینی کے ساتھ اس کے نظام سیاسی کی ہم آہنگی ہی باقی رہ جاتی ہے اور نہ اس کے نظام اجتماعی و سیاسی ہی میں کوئی ربط قائم رہ جاتا ہے۔ اس صورت حال کو یہاں 'افساد' اور 'اسراف' سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس اصولی حقیقت کے ساتھ ساتھ اس تاریخی حقیقت کو یاد رکھنا بھی یہاں ضروری ہے جس کا تجربہ ان آیات کے نزول کے زمانے میں مسلسل مسلمانوں کو یہود کی طرف سے ہو رہا تھا۔ یہود کے متعدد قبائل مثلاً

بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع مدینہ کے حوالی میں آباد تھے۔ انہوں نے یوں تو مسلمانوں کے ساتھ امن وصلح اور باہمی حمایت و مدافعت کے معاہدے کر رکھے تھے لیکن ایک دن بھی انہوں نے ان معاہدوں کا کوئی احترام نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور مدینہ سے ان کے قدم اکھاڑ دینے کی سازشیں کرتے رہے۔ قریش نے مسلمانوں پر جتنے بھی حملے کئے سب میں درپردہ یہود شریک رہے۔ انصار اور مہاجرین کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کی بھی انہوں نے بارہا کوشش کی۔ صحابہؓ بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی بھی انہوں نے بارہا تدبیریں کیں۔ اگرچہ انکی یہ چالیں بیشتر ناکام رہیں لیکن متعدد نہایت اندوہناک واقعات پیش بھی آئے۔ عورتوں اور بچوں کے اغوا اور قتل میں بھی یہ نہایت شاطر اور سنگدل تھے۔ مسلمانوں کو ہر وقت یہود کی طرف سے اپنی جان اور عزت کے معاملے میں کھٹکا لگا رہتا تھا۔ حد یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو وہ کسی قضیے کے طے کرانے اور کسی معاملے پر گفتگو کرنے کے لیے بلاتے تھے ان کے بھی ہلاک کرنے کی سازش پہلے سے تیار کر رکھتے تھے۔ 'ثم ان کثیرا منھم بعد ذلک فی الارض لمسرفون' میں ان کی اسی صورت حال کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۳-۳۴

'یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا'۔ اللہ و رسول سے محاربہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ یا جتھہ جرأت و جسارت، ڈھٹائی اور بیباکی کے ساتھ اس نظام حق و عدل کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے جو اللہ اور رسول نے قائم فرمایا ہے۔ اس طرح کی کوشش اگر بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہو تو اس کے مقابلے کے لیے جنگ و جہاد کے احکام تفصیل کے ساتھ الگ بیان ہوئے ہیں۔ یہاں بیرونی دشمنوں کے بجائے اسلامی حکومت کے ان اندرونی دشمنوں کی سرکوبی کے لیے تعزیرات کا ضابطہ بیان ہو رہا ہے جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوتے ہوئے عام اس سے کہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم، اس کے قانون اور نظم کو چیلنج کریں۔ قانون کی خلاف ورزی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ کسی شخص سے کوئی جرم صادر ہو جائے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ شریعت کے عام ضابطۂ حدود و تعزیرات کے تحت کارروائی کی جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کی کوشش کرے، اپنے شر و فساد سے علاقے کے امن و نظم کو درہم برہم کر دے، لوگ اس کے ہاتھوں اپنی جان، مال، عزت، آبرو کی طرف سے ہر وقت خطرے میں مبتلا رہیں۔ قتل، ڈکیتی، رہزنی، آتش زنی، اغواء، زنا، تخریب، تہریب

اور اس نوع کے سنگین جرائم حکومت کے لیے لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دیں۔ ایسے حالات سے نمٹنے کے لیے عام ضابطۂ حدود و تعزیرات کے بجائے اسلامی حکومت مندرجہ ذیل اقدامات کرنے کی مجاز ہے۔

'ان یقتلوا'۔ یہ کہ فساد فی الارض کے یہ مجرمین قتل کر دیئے جائیں۔ یہاں لفظ 'قتل' کے بجائے 'تقتیل' باب تفعیل سے استعمال ہوا ہے۔ باب تفعیل معنی کی شدت اور کثرت پر دلیل ہوتا ہے اس وجہ سے تقتیل شر تقتیل کے معنی پر دلیل ہوگا۔ یعنی ان کے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ ان کو عبرت انگیز اور سبق آموز طریقہ پر قتل کیا جائے جس سے دوسروں کو سبق ملے۔ صرف وہ طریقۂ قتل اس سے مستثنیٰ ہوگا جو شریعت میں ممنوع ہے۔ مثلاً آگ میں جلانا، اس کے ماسوا دوسرے طریقے جو غنڈوں اور بدمعاشوں کو عبرت دلانے، ان کو دہشت زدہ کرنے اور لوگوں کے اندر قانون ونظم کا احترام پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھے جائیں، اسلامی حکومت ان سب کو اختیار کر سکتی ہے۔ رجم یعنی سنگسار کرنا بھی ہمارے نزدیک 'تقتیل' کے تحت داخل ہے۔ اس وجہ سے وہ غنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کی عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنا لیں، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں ان کے لیے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے۔ رجم کے باب میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے درمیان ہماری فقہ میں جو فرق کیا گیا ہے اس پر انشاء اللہ ہم سورۂ نور کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔

'او یصلبوا' یہ کہ ایسے لوگوں کو سولی دے دی جائے۔ سولی دینے کے لیے بھی یہاں 'صلب' کے بجائے 'تصلیب' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ سولی اور پھانسی کے وہ طریقے بھی اختیار کئے جا سکتے ہیں جو زیادہ دردناک اور زیادہ عبرت انگیز ہوں۔ اس زمانے میں بعض طریقے جو ایجاد ہوئے ہیں ہمارے نزدیک وہ بھی اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔

'او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف' یہ کہ ان کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ دیے جائیں۔ یہ بے ترتیب کاٹنے کی ہدایت بھی عبرت انگیزی اور درد انگیزی ہی کے نقطۂ نظر سے ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر اس قسم کے کسی شریر کی جان بخشی بھی جائے تو اس طرح کہ اس کی شر انگیزی اور افساد کے تمام اسلحہ بیکار کر دیئے جائیں۔

'او ینفوا من الارض' یہ کہ ان کو ملک سے جلاوطن کر دیا جائے۔ 'نفی' کا لغوی مفہوم جلاوطنی ہے۔ حبس اور قید اس کا لغوی مفہوم نہیں ہے البتہ اس کے مفہوم میں شامل ضرور ہے۔ اگر ایسے مجرموں کی جلاوطنی دشوار، یا دینی و سیاسی نقطۂ نظر سے خلاف مصلحت ہو تو ان کو محبوس یا کسی خاص

علاقہ میں پابند اور نظر بند کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیز اس لفظ کے مفہوم کے خلاف نہیں ہوگی۔

قرآن کے الفاظ صاف اس بات پر دلیل ہیں کہ حالات کی نوعیت اور بد امنی اور قانون شکنی کے موجود اور متوقع اثرات کے لحاظ سے حکومت ان میں سے جو اقدام بھی مناسب سمجھے، کر سکتی ہے۔ عربی زبان میں اَوْ کا استعمال اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس وجہ سے مجھے ان لوگوں کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے جو حکومت کو اختیار دیتے ہیں کہ قیام امن و قانون اور استیصال فتنہ کے نقطۂ نظر سے ان میں سے جو سی شکل بھی اس کو مفید و مؤثر اور مطابق مصلحت نظر آئے اس کو اختیار کر سکتی ہے۔ اس طرح کے حالات میں صرف اسی امر کو ملحوظ نہیں رکھنا پڑتا ہے کہ مجرم کرنیوالے جتھے نے صرف مال کو نقصان پہنچایا ہے یا جان کو بھی نقصان پہنچایا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر زمانہ، مقام، اور جتھہ بندی کرنے والے مجرموں کے عزائم اور ان کے اثرات پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ مثلاً زمانہ جنگ یا بد امنی کا ہو تو اس میں لازماً سخت اقدام کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح مقام سرحدی یا دشمن کی سازشوں کا آماجگاہ ہو تب بھی موثر کارروائی ضروری ہوگی۔ اگر شرارت کا سرغنہ کوئی بڑا خطرناک آدمی ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کو ڈھیل ملی تو بہتوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ پیش آ جائے گا تب بھی حالات کے لحاظ سے موثر قدم اٹھانا پڑے گا۔ غرض اس میں اصل اہمیت جزوی واقعات کی نہیں بلکہ بغاوت کے مجموعی اثر اور ملک و ملت کے مصالح کی ہے۔

اس طرح کے حالات میں سزا بھی انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ گروہی حیثیت سے دی جائے گی۔ اگر قتل، اغوا، زنا، آتش زنی، تخریب کے واقعات پیش آئے ہیں تو یہ جستجو نہیں کی جائے گی کہ متعین طور پر ان جرائم کا ارتکاب کن ہاتھوں سے ہوا ہے بلکہ ان کی ذمہ داری میں باغی گروہ کا ہر فرد شریک سمجھا جائے گا اور اسی حیثیت سے ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا، اس لیے کہ ہر جرم کے ارتکاب میں سب کے مجموعی اثر نے کام کیا ہے۔

عُکل و عرینہ والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال کے اونٹوں کو ہنکا لے جانے اور ان کے چرواہوں کو قتل کرنے کے جرم میں جو عبرت انگیز سزا دی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اسی آیت کے تحت لیا ہے۔ بنو نضیر بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے ساتھ جو معاملہ حضورﷺ نے کیا، ہمارے نزدیک وہ بھی اسی حکم الٰہی کے تحت کیا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ کی جو سرکوبی کی وہ بھی ہمارے نزدیک اسی حکم کے تحت کی، مسیلمہ کذاب کا فتنہ بھی اسی محاربۂ اللہ و رسول کے تحت آتا ہے اور اس کی سرکوبی بھی اسی قانون الٰہی کے تحت ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں یہود کو عرب سے جو آخری بار نکالا وہ بھی اسی حکم خداوندی کی تعمیل تھی۔

"ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا الآية" (یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے) یہ اس شبہ کا

ازالہ ہے جو مذکورہ بالا سزاؤں سے متعلق ان لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا یا پیدا ہو سکتا ہے جو اللہ اور رسول کو چیلنج کرنے کے جرم کی سنگینی کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے۔ اس کائنات میں حقیقی عزت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ اس وجہ سے جو لوگ خدا اور رسول کے مقابل میں جرأت و جسارت کا اظہار اور بغاوت کا اعلان کریں وہ مستحق ہیں کہ اس دنیا میں بھی رسوا ہوں اور آخرت میں بھی وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں۔ دنیا میں ان کی یہ رسوائی دوسروں کے لیے ذریعۂ عبرت و بصیرت ہوگی اور اس کے اثر سے ان لوگوں کے اندر بھی قانون کا ڈر اور احترام پیدا ہوگا جو یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ مجرد قانون کی افادیت و عظمت کی بنا پر اس کا احترام کریں۔ موجودہ زمانے میں جرم اور مجرمین کے لیے فلسفہ کے نام سے جو ہمدردانہ اور رحم دلانہ نظریات پیدا ہو گئے ہیں یہ انہی کی برکت ہے کہ انسان بظاہر جتنا ہی ترقی کرتا جاتا ہے، دنیا اتنی ہی جہنم بنتی جا رہی ہے۔ اسلام اس قسم کے مہمل نظریات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ اس کا قانون ہوائی نظریات پر نہیں بلکہ انسان کی فطرت پر مبنی ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی یہ خاص اختیارات صرف ان باغیوں کے خلاف استعمال کئے جائیں گے جو حکومت کے حالات پر قابو پانے سے پہلے تک اپنی بغاوت پر اڑے رہے ہوں، اور حکومت نے اپنی طاقت سے ان کو مغلوب و مقہور کیا ہو۔ جو لوگ حکومت کے ایکشن سے پہلے ہی توبہ کر کے اپنے رویہ کی اصلاح کر چکے ہوں ان کے خلاف ان کے سابق رویہ کی بنا پر اس قسم کا کوئی اقدام جائز نہیں ہوگا بلکہ اب ان کے ساتھ عام قانون کے تحت معاملہ ہوگا۔ اگر ان کے ہاتھوں عام شہریوں کے حقوق تلف ہوئے ہیں تو حتی الامکان ان کی تلافی کرا دی جائے گی۔

آیت میں "[illegible]" کے لفظ کے زور کو اگر ذہن میں رکھیے تو یہ بات صاف نکلتی ہے کہ قابو میں آنے سے پہلے ہی توبہ و اصلاح کر لینے والوں کے معاملے میں حکومت کے لیے کوئی انتقامی کارروائی جائز نہیں ہے۔ خدا غفور اور رحیم ہے، جب وہ پکڑ سے پہلے توبہ و اصلاح کر لینے والوں کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے بندوں کا رویہ اس سے الگ کیوں ہو؟

روزنامہ **وفاق** / ایڈیٹر: مصطفٰے صادق
ان گھرانوں کا پسندیدہ اخبار ہے جو اپنے افراد خاندان کو مطالعہ کا شائستہ مواد مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بھی وفاق کا مطالعہ فرمائیے۔ قیمت فی پرچہ بارہ پیسے، ماہانہ چندہ ۳ روپے۔ وفاق لاہور، سرگودھا اور رحیم یار خان سے شائع ہوتا ہے۔ جنرل منیجر روزنامہ وفاق، لاہور

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیفِ مولانا فراہی

تفاسیر

دلائل النظام (عربی) سائز ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۱۳۲

کاغذ عمدہ سفید۔ قیمت ۴ء۵۰ روپے

مقدمہ تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ) : قیمت	۰ء۹۰ روپے
تفسیر بسم اللہ و سورہ فاتحہ	۰ء۴۵
تیامہ	۰ء۶۰
والشمس	۰ء۵۰
فیل	۱ء۰۰
ذاریات	۱ء۳۰
مرسلات	۰ء۶۰
والتین	۰ء۷۰
کوثر	۱ء۱۰
لہب	۰ء۷۰
تحریم	۰ء۷۰
عبس	۰ء۷۰
والعصر	۰ء۶۰
کافرون	۰ء۴۵
اخلاص	۰ء۴۵
اقسام القرآن	۱ء۳۰
ذبیح کون ہے؟	۱ء۷۰

لغت و ادب

اسباق النحو

حصہ اول : ۱ء۴۰ روپے

حصہ دوم : ۱ء۰۰

امثال آصف الحکیم

قیمت : ۱ء۳۷ روپے

جمہرۃ البلاغہ

قیمت : ۱ء۵۰

مفردات القرآن

قیمت : ۱ء۴۰

دیوانِ عربی

قیمت : ۱ء۵۰ روپے

نوائے پہلوی (دیوان فارسی)

قیمت ۴ء۰۰ روپے

دارالاشاعتِ الاسلامیہ۔ کرشن نگر لاہور

افاداتِ فراہیؒ

خالد مسعود

دُنیا میں خیر و شر کے وجُود کا مسئلہ

جہاں تک غور کرنے والے لوگوں کا تعلق ہے اگر وہ مخلوقات کے ایک خالق اور رب پر یقین رکھتے رہے ہیں تو ایک مسئلہ ہر زمانے میں ان کے لیے بہت مشکل رہا ہے اور وہ ہے اس کائنات میں خیر و شر، نور و ظلمت، مسرت و غم، لذت و الم، صلاح و فساد، رحمت و ظلم اور دوسری اضداد کے وجود کی حقیقت۔ لوگوں نے اس کو حل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ چند نمایاں مذاہب ہم یہاں بیان کرتے ہیں:

ا۔ مجوسیوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خیر کا خالق الگ ہے اور شر کا خالق الگ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے یہ دنیا اضداد کی ایک رزم گاہ ہے۔

ب۔ برہمنوں کا خیال یہ ہے کہ ہر شر صاحب ارادہ و احساس لوگوں کے افعال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ دوبارہ دنیا میں لوٹ آتے ہیں تاکہ اپنے برے اعمال کی سزا پائیں لہٰذا خالق ان کے اعمال سے بری ہے۔ موت و حیات ایک دلدل ہے۔ ہر دانا آدمی کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو اس دلدل سے خلاصی دلوائے لیکن زندگی اس کوشش کے لیے ناکافی ہے۔

ج۔ ہندوؤں کے صوفیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات ایک وہم و خیال ہے۔ موجود اس میں صرف 'انا' ہے اور جو کچھ یہاں ہے وہ 'انا' سے الگ کوئی چیز نہیں۔

د۔ گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی بنیاد اعمال کے نتائج کے عقیدہ پر رکھی۔ اس نے اس معاملہ میں اتنی شدت برتی کہ اس کے پیروؤں نے معبود پر ایمان ہی کو ترک کر دیا۔ انہوں نے ہندو صوفیوں سے یہ نظریہ بھی اپنا لیا کہ اس کائنات میں موجود صرف 'انا' ہے لیکن اسے چونکہ موت و حیات کی دلدل میں ڈال دیا گیا ہے اس لیے سب سے ضروری کام اسے اس مصیبت سے چھٹکارا دلانا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ زندگی کی لذتوں سے کامل کنارہ کشی اختیار کی جائے تاکہ آدمی دوبارہ اس دنیا کی طرف نہ لوٹ سکے

۷ - افلاطون کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رب تمام اشیاء کو اپنے علم ازلی کے ذریعے جانتا تھا۔ ان کو وجود بخشا گیا تو یہ خدا کے اسی قدیمی علم کے مطابق وجود میں آئیں۔ خدا کے علم کے مطابق ہر نوع کی اصل بنیاد غایت درجہ حسن و کمال پر ہے۔ اس بنیاد سے کوئی جزوی کمی ایک شے میں نقائص پیدا کر دیتی ہے جن کے نتیجہ میں شر پیدا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ خالق کل شیٔ "ہر چیز کا پیدا کرنے والا" ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان ہوا ہے کہ احسن کل شیٔ خلقہ "اس نے ہر چیز کی تخلیق بہترین طریقہ پر کی"۔ گویا خدا نے ایک طرف تو تخلیق کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے، دوسری طرف یہ بھی تصریح کی ہے کہ اس نے یہ تخلیق بہترین طریقہ پر کی، اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نوع کی مخلوقات میں نقائص موجود ہیں۔ خود انسانوں کے اندر اندھے، بہرے، گونگے، لنگڑے اور ناقص الخلقت پائے جاتے ہیں، ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بد اخلاق، کم ہمت اور غبی ہیں۔ خود قرآن نے انسان کے عجلت پسند اور مغرور و ظالم ہونے کی خبر دی ہے۔ اس سے تین نتیجے نکلتے ہیں یعنی یہ کہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں، اس کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں اور مخلوقات میں نقائص موجود ہیں۔ اس پیچیدگی سے نکلنے کا صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شر کو بھی خیر ہی کا ایک حصہ مانا جائے۔

دنیا میں شر کا وجود دیکھ کر بعض لوگ تو خدا کی صفت عدل ہی کو مشتبہ سمجھنے لگتے ہیں، لیکن بعض اس کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف پھیرتے ہیں یعنی وہ یہ مانتے ہیں کہ کسی چیز کے ظاہر کو دیکھ کر اس کے خیر یا شر ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فیصلہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہمیں اس چیز کی غایت کا مکمل علم حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے معاملات کا خود عالم ہے۔ اس نے جس طرح ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کیا اور اس کا ایک سبب اور نتیجہ رکھا اسی طرح اس نے ہماری فطرت کو بھی ایک اندازے پر پیدا کیا۔ اسی کے مطابق ہمیں رہنمائی دی اور اسی کے مطابق ہم سے پرسش ہونے والی ہے۔ اس نے ہمیں کامل علم عطا نہیں کیا بلکہ اتنا علم دیا ہے جس کے ہم محتاج تھے۔ لہٰذا ہم خدا کے معاملات کے شر ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے۔

ہمارے ان بعض گروہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ حسن و قبح کا تعلق امر الٰہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ اچھا ہے۔ پس اگر وہ لوگوں کو گمراہ کر دے اور بغیر کسی جرم کے ان کو سزا دے دے تو یہی اچھا ہو گا۔ اسی طرح نعوذ باللہ اگر خدا جھوٹ بولے یا دھوکہ دے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں کیونکہ ہر امر کا حاکم وہی ہے؛ وہ تمام شریعتوں کا خود خالق ہے، اس لیے وہ ان کے تحت کیسے ہو سکتا ہے؟ اس دعوے کا پہلا حصہ حق اور دوسرا باطل ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ ہر حق اور خوبی کا انجام خدا ہی کی طرف ہے اور وہ جو کچھ حکم دیتا ہے

وہ اچھا ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال کہ اگر وہ لوگوں کو گمراہ کر دے اور بے گناہ عذاب میں مبتلا کر دے تو یہی اچھا ہو گا، باطل ہے۔ اس خبط کا منبع ایک محال مفروضہ ہے۔ یہ مفروضہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز پر قادر ہے اس لیے وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنے جیسا ایک اور پیدا کر دے۔

جہاں تک حسن و قبح کے وجود کا تعلق ہے، اس پر ایک قلب سلیم دلیل ہے۔ قلب سلیم یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی خوب و ناخوب کی یہ تقسیم اسی طرح ہونی چاہیے۔ جو لوگ خدا کے منکر ہیں یا فطرت انسانی کے حق پر ہونے کے قائل نہیں، حسن و قبح کو ایک اضافی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ ایک اضافی چیز ہے تو پھر اللہ کے لیے ہماری مدح و ذم بے حقیقت ہو جاتی ہے۔ بلکہ دین کے لیے کوئی اساس ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ ہم اپنی عقل کی بدیہیات اور قرآن کی تعلیم کی روشنی میں جانتے ہیں کہ خدا نے حق و باطل اور بھلے برے کی پہچان کے لیے ایک میزان مقرر کر دی ہے۔ اس نے فطرت کے ذریعے ہمیں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی دی ہے اور وہ خود بھی اسی صراط پر ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو نہ وہ ہمیں مخاطب کرتا اور نہ ہم پر حجت قائم کرتا۔

اشاعرہ، ظاہریہ اور بہت سے اہل سنت یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے مقرر کیے ہوئے نیک و بد کا اطلاق صرف ہمارے اوپر ہے اور ان کا حکم ہمارے افعال پر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ رائے باطل ہے لیکن اس کے لیے وہ دو وجوہ سے مجبور ہو گئے۔ ایک اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ ہم اس کے افعال پر وجوب کا حکم لگائیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں کام خدا کے لیے بھلا ہے، اگر اس کے خلاف کرے تو برا ہو گا، تو ہم اس پر حکم لگانے والے ہو جائیں گے۔ دوسری اس بنا پر کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہ کام کرتا ہے جو ہم کریں تو قبیح سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر ہم یہی حکم لگا کر کہہ دیں کہ وہ قبیح کام کرتا ہے تو یہ بات خدا کی شان کے خلاف ہو گی۔ یہ دونوں وجہیں کچھ زیادہ مضبوط نہیں۔ اول الذکر اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ خدا کبھی قبیح کام نہ کرے گا۔ ہمیں تو قبیح کا علم بھی حاصل ہوا ہے تو خدا کی کتاب کے ذریعے اور اس فطرت کے ذریعے جس پر اس نے ہمیں پیدا کیا۔ لہٰذا اگر ہم کوئی بات سمجھتے ہیں تو خدا پر کوئی حکم نہیں لگاتے بلکہ اسی کے فیصلہ اور اچھی صفات پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ ثانی الذکر اس لیے کہ عقل کسی کام کی برائی کا حکم اسی وقت لگا سکتی ہے جب اس کے منشا اور نتائج کا کامل علم حاصل کرے۔ مثلاً ایک اتالیق سزا دیتا ہے یا ایک طبیب کڑوی دوا پلاتا ہے تو ہم ان افعال پر قبیح کا حکم نہیں لگاتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ان کا مقصد نیک اور نتیجہ اچھا ہے۔ اسی طرح ایک عادل حکمران سزا دیتا ہے تو اسے ظلم سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ ان حقائق کے پیش نظر ہم یہ کیوں سمجھیں کہ خدا کے افعال میں کوئی حکمت و مصلحت اور رحمت نہیں حالانکہ ہمارا یقین ہے کہ وہ رحیم، حکیم اور عادل ہے اور اس کے علم کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

اشاعرہ اور محدثین کا گمان یہ بھی ہے کہ خدا کے بہت سے افعال میں ہمارے لیے خیر کا کوئی پہلو نہیں

ہے ۔ مثلاً ایک ایسے شخص کو پیدا کرنا جو کافر ہونے والا اور جہنم میں جانے والا ہے یا شیطان ، بتوں نیز مضر اشیاء یا سانپ بچھو وغیرہ کا پیدا کرنا ۔ یہ گمان بھی علم کے احاطہ کے دعوے کا نتیجہ ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھی سے تعلیم حاصل کر رہے تھے ، وہ معاملات کے صرف ظاہری پہلو کو جانتے تھے ، اس وقت ان کا سوال کرنا صحیح نہ تھا لیکن چونکہ ان پر افعال کی حکمت مخفی تھی اس لیے وہ اپنے ساتھی کو ملامت کرنے پر مجبور ہو گئے البتہ جب حقیقت حال ان کو بتائی گئی تو وہ مطمئن ہو گئے ۔ اگر ایک ایسے شخص کے افعال کا معاملہ یہ ہے جس کو علم الٰہی میں سے ذرا سا علم حاصل تھا تو خدا کے افعال کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جس کے علم محیط کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے قادر ، علیم اور رحیم ہے ۔ اس کی یہ صفات مدح کی سزاوار ہیں اور ہماری فطرت یہ بتاتی ہے کہ یہ اچھی ہیں ۔ ہم انہی صفات سے انسان کی تعریف بھی کرتے ہیں اور اس کے افعال کے اچھے ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ۔ یہ صفات اس لیے اچھی نہیں کہ خدا نے ان کو اچھا بنایا بلکہ اس لیے اچھی ہیں کہ یہ اللہ کی صفات ہیں ، یہ غیر مخلوق ہیں اور ان کی خوبی بھی غیر مخلوق ہے جنہیں اس کی ذات سے جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ اگر کوئی ملحد یہ اعتراض کرے کہ ہمیں اس بات کا یقین کیسے ہو سکتا ہے ؟ تو ہمارا جواب یہ ہو گا کہ یہ ماننا فطری اور ضروری ہے ۔ اس کو کسی موہوم شک کی بنا پر باطل قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ قدرت ، علم ، رحمت ، عدل ، محبت ، سرور اور بقا کی خوبیوں کا انکار کر سکیں ۔

اشاعرہ نے قرآن مجید کی آیت لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے نہیں پوچھا جاتا لیکن ان سے باز پرس ہوتی ہے) سے یہ سمجھا ہے کہ اگر خدا کسی کو بے گناہ عذاب دے تو یہ ظلم نہ ہو گا اور کسی کو یہ حق نہیں کہ اس سے یہ پوچھ سکے کہ تو نے ایسا کیوں کیا ؟ اس آیت کا مدعا ہرگز یہ نہیں ۔ اس کے برعکس قرآن میں تو یہ آیت بھی آئی ہے ۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۔

جنت میں ان کے لیے وہ کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے ، وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ۔ یہ بات تیرے رب کے ذمہ ایک مسئول وعدہ ہے ۔

صحیح بخاری میں یہ روایت آئی ہے کہ بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اگر وہ اس کے ساتھ شرک نہ کریں تو وہ ان کو جنت میں داخل کرے ۔

مولانا عبد الغفار حسن
استاذ حدیث ، مدینہ یونیورسٹی

اِصلاحِ معاشرہ کی بنیادیں[1]

(۲)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (۳۳)

اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں ۔ (۳۳)

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ (۳۴)

اور بھلائی برائی برابر نہیں ہو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے ۔ (۳۴)

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ، (حم ۳۵)

اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں ۔ (۳۵)

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۳۶ حم سجدہ ۲۴

اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگ لیا کرو بے شک وہی ہے سننے جاننے والا (۳۶)

ربطِ آیات

ان آیات اور سابقہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا ۔۔۔۔۔ میں نہایت لطیف ربط اور مناسبت پائی جاتی ہے ۔ پہلی آیت میں ایک داعی حق کو اپنی ذاتی تکمیل کی طرف رہنمائی دی گئی ہے ۔ اور ان آیات میں دوسروں کی تکمیل پر آمادہ کیا گیا ہے

[1] تسلسل کے لیے دیکھئے ' میثاق ' ماہ فروری ۱۹۶۷ء

اس لحاظ سے ان آیات کا مضمون سورہ "والعصر" سے ملتا جلتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے ذاتی اوصاف کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے اور تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے دوسروں کی تکمیل کا حکم دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ یہ تکمیل دعوت و نصیحت کے بغیر ممکن نہیں، نیز صبر کی تاکید دونوں جگہ موجود ہے، ان آیات میں ایک مسلم داعی کے چند اہم اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) اس کی دعوت صرف اپنے خالق و مالک اللہ تعالےٰ کی طرف ہوتی ہے، کسی خاص شخصیت، وطن، قوم نسل، فرقہ یا جماعت کی طرف نہیں ہوتی۔

اس آیت سے ہر قسم کی قومی، نسلی، لسانی عصبیت اور جاہلی نخوت وحمیت کی نفی ہو جاتی ہے۔ داعی حق کی محبت و نفرت کی بنیاد صرف اللہ تعالےٰ کی خوشنودی پر ہوتی ہے، اسی کے لیے وہ جیتا مرتا ہے، اس کی زندگی کی ساری دوڑ دھوپ اسی محور پر گھومتی ہے۔ اس کی ساری کاوشیں اور تمام سرگرمیاں صرف اسی نصب العین کے لیے وقف ہوتی ہیں۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ سورہ "الانعام" پ (۱۶۳)

کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار (۱۶۳)

اس بنیادی وصف کو احادیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

من احب لِلّٰهِ وابغض لِلّٰهِ و اعطى لِلّٰهِ و منع لِلّٰهِ فقد استكمل الايمان۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بحوالہ ابوداود

جس نے اللہ تعالےٰ کے لیے محبت کی، اللہ تعالےٰ کے لیے بغض رکھا، اللہ تعالےٰ کے لیے دیا اور اللہ تعالےٰ کے لیے دینے سے رک گیا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

دوسری حدیث میں ہے:

عن معاذ بن جبلؓ قال سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه وسلم يقول قال اللّٰه تعالىٰ وجبت محبتي للمتحابين فيّ والمتجالسين فيّ والمتزاورين فيّ والمتباذلين

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان کے لیے واجب ہو گئی جو آپس میں میرے لیے محبت کرتے ہیں اور آپس

فيّ موطا مالک مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶ طبع دمشق حدیث نمبر ۵۰۱۱ باب الحب فی اللہ۔

میں میرے لیے ہم نشین ہوتے ہیں اور میرے لیے آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میرے لیے آپس میں خرچ کرتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سات قسم کے افراد کو قیامت کے دن عرش کا سایہ نصیب ہو گا ان میں سے ایک قسم ان افراد کی ہے جن کی آپس میں محبت محض اللہ تعالےٰ کے لیے ہے اسی پر وہ جمع ہوتے ہیں اور اسی پر وہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ فرمایا ورجلان تحابا فی اللہ اجتما علیہ و تفرقا علیہ بخاری مسلم مشکوٰۃ: صفحہ ۶۸ باب المساجد حدیث ۷۰۱

اللہ تعالےٰ کی طرف دعوت کے بجائے کسی غیر اللہ کی طرف دعوت ایک بہت بڑا منکر ہے جس کا مٹانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس قسم کی دعوت اپنی اصل روح کے اعتبار سے خالص توحید کے یکسر منافی ہے۔ اس قسم کی مفسدانہ دعوت سے حدیث میں روکا گیا ہے۔

عن عبدالرحمٰن عن ابی عقبة وكان مولى من اهل فارس قال شهدت مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم احدا فضربت رجلا من المشركين فقلت خذها وانا الغلام الفارسي، فالتفت الىّ فقال هلّا قلت خذها مني وانا الغلام الانصاري۔ مشکوٰۃ باب المفاخرہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۵ حدیث ۴۹۰۳

عبدالرحمٰن ابوعقبہ سے روایت ہے جو ایک ایرانی غلام ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شرکت کی، میں نے ایک مشرک کو تلوار ماری، اور اس نے کہا اس وار کو برداشت کر (دسن) میں ایرانی غلام ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہا، میری مار قبول کریں انصاری غلام ہوں۔ یعنی اس نسبت پر اس لیے فخر مناسب ہے کہ نصرتِ دین کی بنا پر اس کی بنیاد پڑی بخلاف "ایرانی غلام" کے یہ فقرہ ایرانی قومیت پر فخر کے ہم معنی ہے، یہ ان جاہلیت کے نعروں میں سے ہے جن کو اسلام مٹانے کے لیے آیا ہے یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یہی انصاریت پر فخر مہاجرین کے مقابلے میں ہو تو اس کا شمار بھی جاہلی نعروں میں ہو گا جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔ اس کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر بیان ہو گی انشاء اللہ تعالےٰ۔

(۲) داعی الی اللہ صرف خالی خولی وعظ نہیں کرتا بلکہ خود اس کی اپنی زندگی بھی "عمل صالح" سے آراستہ ہوتی ہے، ایک شخص دوسروں کو تو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے لیکن خود اس کی اپنی زندگی بے عمل

کی شاہکار ہو تو ایسے داعی کی حیثیت ایک پیشہ ور واعظ و خطیب کی بن کر رہ جاتی ہے وہ اپنے زور خطابت کی مجمع سے داد تو لے سکتا ہے لیکن دلوں کی دنیا کو وہ بدل نہیں سکتا۔ قول و عمل کا اختلاف عقل کے بھی منافی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا غضب بھی بھڑک اٹھتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سورۂ بقرہ پ۱ آیت (۴۴)	تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے تئیں فراموش کئے دیتے ہو حالانکہ تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ سورہ پ۲۸ (آیت ۲-۳)	مومنو: تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے، خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں (۳)

(۳-۴) وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ آیت کے اس جزء میں داعی حق کے دو وصف بیان کئے گئے ہیں

(الف) داعی الی اللہ اپنے اسلام کے اعلان میں شرماتا نہیں بلکہ پوری جرأت اور بیباکی سے اس کا اعلان کرتا ہے۔ اس جرأت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی دعوت کو ڈنکے کی چوٹ براہ راست پیش کرتا ہے۔ اس کے لیے درمیانی وسیلے اور واسطے تلاش نہیں کرتا اور نہ کوئی ہیر پھیر کا راستہ اختیار کرتا ہے، ساتھ ہی اس راہ میں اسے قدامت پسندی اور دقیانوسیت کے طعنوں کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔

(ب) داعی الی اللہ اپنی داعیانہ حیثیت کی بنا پر اس نخوت اور غرور نفس میں مبتلا نہیں ہوتا کہ اسے اب معاشرہ میں بلند مقام حاصل ہو گیا ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو مسلم معاشرہ ہی کا ایک جز تصور کرتا ہے۔ کسی کمزور سے کمزور مسلمان کو بھی وہ حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور نہ اسے اپنے دعوت و اصلاح کے کام کی بنا پر کسی برتری کا احساس ہوتا ہے۔

(۵) اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ داعی حق ہر قسم کے گروہی، نسلی تعصبات اور نسبتوں سے بالاتر ہو کر اپنے آپ کو مسلم اور صرف مسلم کہلانے پر فخر محسوس کرتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ، هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ پ۱۷ سورہ الحج آیت (۷۸)

(۶) وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ (آلایۃ) اس آیت میں داعی الی اللہ کا ایک اہم وصف بیان کیا گیا ہے یعنی داعی حق انتہائی وسیع الظرف، حلیم الطبع، متواضع اور منکسر المزاج ہوتا ہے۔ حسد تند خوئی، کینہ پروری اور انتقامی جذبات سے اس کی سیرت پاک ہوتی ہے۔ انتہائی اشتعال انگیز مواقع پر بھی ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، گالیوں اور ایذا رسانیوں کے جواب میں اس کے منہ سے دعائیں نکلتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو بخش دے وہ مجھے نہیں پہچانتی۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مبارک دعا کی تشریح میں لکھا ہے کہ ان کلمات میں مرتبہ احسان کے چار مقام مذکور ہیں (۱) دشمنوں کو معاف کرنا (۲) ان کے لیے مغفرت کی طلب (۳) ان کی طرف سے عذر پیش کرنا، جیسا کہ فرمایا کہ وہ جانتے نہیں، (۴) ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اپنی طرف نسبت دی، یعنی فرمایا "قومی" "میری قوم" جیسا کہ کوئی شخص اپنے بچے کے لیے دوسرے سے سفارش کرتے ہوئے کہتا ہے " هٰذَا وَلَدِیْ " یہ میرا بچہ ہے، تفسیر المعوذتین صفحہ ۴۳ طبع بمبئی

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند داعیانہ سیرت و کردار کو ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ قط الا ان ینتھک حرمۃ اللہ فینتقم اللہ بھا (بخاری، مسلم بحوالہ اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کیلئے انتقام نہیں لیا مگر اس صورت میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی حرمت (یعنی اسکے دین کی عظمت) پامال ہوتی ہو ایسے موقع پر آپ اللہ تعالیٰ کے لیے بدلہ لیتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے۔

امر اللہ المومنین بالصبر عند الغضب، والحلم عند الجہل والعفو عند الاساءۃ فاذا فعلوا ذالک عصمھم اللہ من الشیطان وخضع اللہ عدوھم کانہ ولی حمیم	حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیر درس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غصہ کے موقع پر صبر کا اور جہل و نادانی کے موقع پر حلم و بردباری کا اور بدسلوکی کے موقع پر معافی کا حکم دیا ہے۔

جب مومن یہ روش اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انکو شیطان کے نقصوں سے محفوظ رکھے گا۔ انکا دشمن انکے سامنے سرنگوں ہو جائیگا گویا وہ ان کا گہرا دوست ہے۔ تفسیر فتح القدیر شوکانیؒ ج ۴ صفحہ ۴۹۹

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ جیسی رعب و جلال والی شخصیت گستاخانہ کلمات سنکر اپنا غصہ پی جاتی تھی جیسا کہ حدیث میں ہے کان وقافا عند کتاب اللہ یعنی حضرت عمرؓ کتاب اللہ پر بہت زیادہ عمل کرنیوالے تھے۔ ریاض الصالحین ج ۱ باب الصبر بحوالہ صحیح بخاری ج

تاریخ اسلامی کے دورِ فتن

کے بارے میں

صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے

مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ ضروری ہے

۱۔ وفاتِ سرور کائناتؐ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۱۰٫۴۰ روپیہ
۲۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ	سلام اللہ صدیقی جونپوری	۱٫۰۰ "
۳۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ	" " " "	۱٫۴۰ "
۴۔ حضرت عمرو بن العاصؓ	" " " "	۲٫۹۰ "
۵۔ تاجدار مدینہ کی شہزادیاں	" " " "	۱٫۱۵ "
۶۔ اسلامی حکومت کے نقش و نگار	مولانا نفیس الدین مفتاحی	۲٫۰۰ "
۷۔ اہلبیت اور اہلسنت	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۱٫۱۵ "
۸۔ تحفۂ کربلا	محمد احمد الہ آبادی	۴٫۰۰ "
۹۔ سکینہ بنت حسینؓ	از طیب بیگم صاحبہ	۰٫۷۰ "
۱۰۔ مولانا مودودی اور سیدنا عثمان غنیؓ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۲٫۳۰ "

۱۱

"حقیقت خلافت و ملوکیت"

تالیف علامہ سید محمود احمد عباسی

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیف، خلافت و ملوکیت کا مسکت جواب

مستند تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں

سائز ۲۳×۳۶/۱۶ ، صفحات: ۵۶۸ : مجلد

قیمت قسم اوّل سفید کاغذ مع ڈسٹ کور ۱۱٫۰۰ روپے

" قسم دوم نیوز پرنٹ : ۶٫۷۵ "

دارالاشاعت الاسلامیہ امرت روڈ کرشن نگر لاہور ٭ فون نمبر: ۶۹۵۲۲

مقالات

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوّف کی اشاعت کے اسباب

(۵)

اب ناظرین خود غور کریں کہ ان لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا، انہیں اسلامی تصوف کو کفر و شرک کا ملغوبہ بنا دینے میں کیا تامل ہو سکتا تھا۔ ان کو تو اہل سنت کو گمراہ کرنا تھا چونکہ تصوّف کی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لئے انہوں نے اسلامی تصوّف ہی کو خاص طور سے ہدف تدسیس و تلبیس و تحریف بنایا۔ اور جھوٹی روایتوں کو سُنی صوفیوں کے ماخذوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلاتحقیق قبول کر لیا اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے، اہل سنت کے مسلمہ عقائد سے مختلف ہو گئے بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں (واللّٰہُ المستعان)

(۱) عز الدین محمود بن علی کاشانی متوفی سنہ ۷۳۵ھ نے تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے "مصباح الهداية و مفتاح الكفاية" اس کو پروفیسر جلال الدین ہمائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ، کتاب خانہ "سنائی" نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز، اپنی مخصوص ذہنیت کی بنا پر، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے "بنام خداوند بخشندۂ بخشائش گر مہربان" سے کیا ہے، حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ "خداوند" اللہ کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف کو سامنے رکھ کر لکھی ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ نولکشوری نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی بباطن شیعہ ہے (جیسا کہ آگے چل کر واضح کروں گا) اس لیے مقدمہ نگار نے اس کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہمائی اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے:۔

(ا) وہ ہر جگہ آلِ محمدؐ پر صلوات کو، محمدؐ پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے۔ مثلاً دیکھو دعائے بعد از طعام صـ۲۷۲ الحمدُ للّٰہِ الّذی اطعمنا ھذا و رزقناہُ من غیرِ حولٍ منّا اللّٰھمّ صلِّ علیٰ محمدٍ وّ آلِ محمدٍ (انتہی بلفظہٖ دیکھو صـ۲۷۲)

(ب) آیتِ نجویٰ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق منافق سے ممتاز ہوگیا صـ۲۲۴

(ج) ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمرؓ کو نصیحت کی تھی۔ صـ۲۷۵

(د) وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا صـ۳۰۴

(مقتبس از مقدمہ صـ۴۴ - ۴۵)

پروفیسر ہمائی کی یہ تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لیے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی یقیناً شیعہ ہے تاہم اس نے صـ۳۰۴ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے۔ تاکہ جو شخص اس کی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنفؒ نے ازراہِ تقیہ صـ۳۰۴ پر یہ لکھا ہے کہ "مومن حقیقی اس بات کو روا نہیں رکھ سکتا کہ اصحابِ رسول میں قدح کرے کیونکہ انہوں نے رسولؐ کی محبت میں مہاجرت کی، اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسولؐ کے مبارک قدموں پر نثار کئے۔" صـ۳۰۶

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرات ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہوگیا کہ اس کا لکھنے والا شاتمِ صحابۂ رسول نہیں ہے۔ مگر اس فصل منہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اہلِ سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

"پس عقیدۂ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ

(ا) سب صحابہؓ کو دوست رکھے اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل سے اپنے آپ کو روکے۔

(ب) اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بنا پر کسی صحابی کی محبت راجح ہوجائے تو اس کو پوشیدہ رکھے، کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

(ج) اس مشاجرت کے باب میں جو امیر المومنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علیہ السلام اجتہادِ خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لیے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ، مخطی اور مبطل اور مذنب اور غیر مستحق تھے

من یہدی اللّٰہ فہو المہتد و من یضلل فلن تجد لہٗ ولیاً مرشدا صـ۳۰۴

اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوگیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہوسکے اہلِ سنت کو گمراہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ عقائد اہلِ سنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہلِ سنت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اہلِ سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں

(۱) پہلی صدی ہجری سے تا ایندم تمام اہلِ سنت کا اجتماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام صحابہ میں افضل و اکمل و اتقیٰ ہیں، بلکہ انبیاء کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

(ا) امام فخر الدین رازی، کتاب الاربعین میں صـ۴۶۳ پر لکھتے ہیں "مذھب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھو ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ" یعنی اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد ابوبکرؓ سب انسانوں میں افضل ہیں

(ب) امام نجم الدین النسفی، عقائد النسفی میں لکھتے ہیں "ہمارے نبیؐ کے بعد تمام انسانوں میں ابوبکرؓ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروقؓ" (انگریزی ترجمہ شرح عقائد صـ۱۴۱)

(ج) امام کمال الدین بن الھمام، کتاب المسایرہ میں صـ۳۱۲ پر لکھتے ہیں: "صحابۂ اربعہ یعنی الخلفاء کی فضیلت علیٰ حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے کہ پہلے ابوبکرؓ پھر عمرؓ"۔ نیز صـ۳۱۳ پر لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں محمد ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ علیؓ سے پوچھا "ای الناس خیرٌ بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟ فقال ابوبکر" یعنی رسول اللہ کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوبکرؓ۔

(د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، عقائد الاسلام میں صـ۱۵۱ پر لکھتے ہیں: "تمام اہلِ حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفۂ مطلق ابوبکر صدیقؓ ہیں۔" پھر صـ۱۶۰ پر لکھتے ہیں: "امام ذہبی نے بسندِ صحیح بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ

پر فضیلت دیتے ہیں۔ میں جسے فضیلت دینے والا پاؤں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔"

بخوف طوالت صرف ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے آرزومند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخینؓ حضرت شاہ ولی اللہ کا مطالعہ کریں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاءؑ ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سر ولیم میور کی شہادت درج کرتا ہوں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اعدا بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔

ولیم میور اپنی تالیف "الخلافۃ" میں لکھتا ہے:-

(ا) "پیغمبر اسلام کی سچائی پر ایمان ابوبکرؓ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور اب جبکہ ان کے مرشدؐ کی وفات ہو چکی تھی، مرید نے اپنی زندگی ان کیؐ آرزو کی تکمیل کے لئے وقف کر دی۔ یہی جذبۂ فدویت تھا جس نے ابوبکرؓ کی نرم اور مصالحت نواز افتاد طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد (صلعم) کے تمام متبعین (صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم بنا دیا۔" ص۹

(ب) "ابوبکرؓ کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی مطلق آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں اقتدار اعلیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے استعمال کیا۔ لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز، صداقت رسولؐ پر ایمان محکم میں مضمر تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۃ اللہ مت کہو۔ میں تو محض خلیفۂ رسول ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا یعنی اس معاملے میں نبیؐ نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے؟ ساری عمر انہوں نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبۂ قانعیت کی بدولت انہوں نے فتنۂ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع قمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت مختصر تھا مگر محمد (صلعم) کے بعد تمام صحابہ میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن نہیں ہے۔"

"چونکہ پیغمبر اسلام پر ان کا ایمان راسخ بذات خود محمد (صلعم) کی سچائی کی زبردست دلیل ہے، اس لیے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ اگر محمد (صلعم) اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابوبکر جیسے دانشور اور صاحب عقل و خرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔" ص۱۸

میں نے بھی میور کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لیے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی اور سیرت دونوں اس قدر شاندار، ارفع، پاکیزہ اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست ہے نہ مسلمانوں کا خیرخواہ ہے، ان کی تعریف و تحسین پر مجبور ہے بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے۔ انہیں بعد رسول اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ انہیں تمام صحابہؓ میں سرکار دو عالم صلعم کا سب سے بڑا فدائی، سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظ دگر اہل سنت کی طرح انہیں تمام صحابہؓ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ کے ایمان اور خلوص کو خود آنؐ کے آقا اور مولیٰ صلعم کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے شائد ہی کسی غیر مسلم نے میور سے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کے مقام رفیع کو پہچانا ہو۔

میں نے بدلائل عقلیہ و شواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہؓ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے" سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔ اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علام الغیوب تو صرف خدا ہے ہم تو ظواہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۲) پھر کہتا ہے کہ" اگر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اُسے پوشیدہ رکھے"۔ یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

(۳) اُس نے حضرت معاویہؓ کی شان میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اہل سنت استعمال نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زیغ اور کذب راسخ ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کے لیے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سُنی نہیں تھا کیونکہ تمام اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاء کے لیے علیہ السلام اور صحابہؓ کے لیے رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور یزید کے نام کے آگے رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے مگر حضرت معاویہؓ کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

(۴) اس نے ص ۲۷۶ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو زہد و ورع اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقلاً" اور عقلاً" دونوں طرح غلط اور وضعی ہے۔ نقلاً" اس لیے کہ کاشانی نے اس روایت

کی سند بیان نہیں کی اور عقلاً اس لیے کہ حضرت عمرؓ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت علیؓ کے لیے اسوۂ حسنہ تھے۔ چونکہ موازنہ ایک نازک امر ہے اس لیے یہیں قلم روکتا ہوں ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

الحمدللہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے سُنّیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہمائی مقدمہ نگار وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا اس نے تقیہ اختیار کر کے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سنت کے دماغوں میں خلاف اسلام عقائد جاگزیں کر دیئے اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلافِ ادب یقین کی جاتی ہے اس لیے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلّم چلے آ رہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس لیے کہ نزاکتِ روایت تابِ تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کئے دیتا ہوں۔

"چنانکہ رسیدہ است کہ وقتے حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے پوچھا "کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر حسین نے پوچھا کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر حسین نے کہا هیهات! قلبِ واحد میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ رونے لگے۔ اس وقت حسین نے کہا: اے باپ اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟ حضرت علی نے کہا میں ترکِ ایمان پر، قتل کو اختیار کروں گا۔ یہ سن کر حسین نے کہا۔" خوش ہو جائیے اے باپ! کیونکہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے"

پروفیسر ہمائی نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی ہے مگر حاشیے میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ "ماخذ ایں روایت معلوم نیست" ص ۴۰۶

اب پروفیسر ہمائی کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے! اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی معلوم ہو سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کسی "صاحبِ اسرار" کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف ہو جائیں۔

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھریؒ کی تصنیف محبتِ باری کی سیر کراتے ہیں۔ مصنفِ کتاب نے جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی

نے "عرضِ مترجم" میں لکھا ہے "سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی، پھر خواجہ محمد اسحٰقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دور حضرت خواجہ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ھ کی خدمت میں گزارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمان، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارہویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے" (ص ۱)

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں سب کی نشاندہی کی ہے۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہو گئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:-

"قصہ مختصر آجکل تصوف میں منکر کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے، غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین، (اہل تصوف کی کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کر لیا جائے اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔

"محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو جمعِ حدیث میں بھی امام ہیں اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمعِ حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمعِ حدیث میں امام نہیں مگر نقدِ روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاءؒ میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح و تعدیل یا فن نقد و تبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مردِ میدان نہیں ہے۔ انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب غُنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع[2] روایات بھی اس میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح

[1] مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ مثلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلا خوف لومۃ لائم واشگاف لفظوں میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک (۱۹۴۵ - ۱۹۶۷) کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلّم ہے مگر اس میں بھی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے مگر محدّث اور نقّاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے۔

[2] میں جسے جعلی روایت کہتا ہوں، محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات سے بہت پست ہے یعنی قطعاً ناقابل قبول۔

مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات بھی آگئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک نا آشنا ہیں۔

کچھ اسی طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب (محبت الٰہی) کی بھی ہے ..... جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجہ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔

محبت الٰہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں۔ ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے "ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت" کے ذیل میں مفصل تنقید کی ہے۔ یعنی پڑھنے والوں کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے۔ (جزاہ اللہ احسن الجزا) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک مجبولی روایت پر ان کی تنقید جذبات ممنونیت کے ساتھ درج کئے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں۔

"کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے ...... لیکن جس طرح آپؐ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آگئی ہیں اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور امت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپؐ کو نیند آگئی۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپؐ کو سونا نہیں چاہیئے تھا۔ اس جرم کی سزا آپؐ کو یہ دی جائے گی کہ آپؐ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپؐ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گزر گئے تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی۔ جا کر حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپؓ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپؓ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہؓ تلاش کے لیے مدینہ سے باہر نکلے۔ ایک چرواہا ملا۔ اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسولؐ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین دن گزر چکے ہیں میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں۔ اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ اس پہاڑ کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ آنحضرت صلعم سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ آنسوؤں سے زمین پر کیچڑ ہو گئی تھی اور آپؐ کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپؐ رو رو کر امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ چاروں خلفا نے علی الترتیب عرض کی کہ آپؐ سجدے سے سر اٹھایئے ہم نے اپنی زندگی کے تمام نیک اعمال آپ کی اُمّت کی رہائی کے لئے بخش دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپ کی

اُمّت کو بخشتا ہوں۔ مگر آپؐ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے میرا کام نہیں چل سکتا جب خدا کی طرف سے حکم آچکا ہے کہ میں تیری اُمّت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں۔ جب صحابہؓ مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ آپؐ گھر تشریف لے چلیں۔ میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپؐ کی اُمّت پر نثار کرتی ہوں۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو بھی وہی جواب دیا جب وہ آپؐ سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریلؑ تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کو اُمّت کی بخشش کی خوشخبری سنائی۔ اور کہا کہ خدا نے فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی اور آپؐ کی اُمّت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے صرف آپؐ کی اُمّت کے لیے سفارش کی تھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہؓ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔"

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے:

"اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمایئں۔ (الف) آپؐ نے کبھی بھی تمام رات جاگ کر نہیں گزاری بلکہ آپؐ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے کیونکہ سورۂ مزمل میں اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آپ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجئے کیا آنحضرتؐ اللہ تعالےٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ دانستہ کر سکتے تھے؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرتؐ اور اُن کے جرم کی سزا ملے اُمّت کو! اللہ تعالےٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمانؓ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ انہوں نے حضورؐ کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہؓ کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟ حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں کیا حضرت فاطمہؓ ایسا فعل کر سکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی۔ تو

اُن کا سجدہ کیسے قبول کر لیا گیا؟

(ک) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہؓ کا: رسولؐ اللہ تو تین دن سے رو رہے تھے۔ آپؐ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی، لیکن فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ اُن سے مجبور ہو گئی جو صرف اُمتِ مسلمہ کی سفارش کی۔ اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کر دیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا جلّ جلالہٗ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت صلعم نے عبداللہ ابن ابی منافق کا جنازہ پڑھا (یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمایا کہ اے رسولؐ اگر آپ اس کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(د) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس "حدیث" کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

(ہ) تاریخی لحاظ سے حضورؐ کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بنایا ہے۔"

(مقتبس از ضمیمہ "محبتِ باری تعالیٰ" صفحہ ۴۹۲ تا صفحہ ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے حقیقت پورے طور سے آشکارا کر دی ہے۔ جزاہُ اللہ خیراً

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علمِ قلندری سے استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب کا نام ہے "تعلیماتِ قلندریہ" مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانۂ کاظمیہ۔ یہ کتاب اُن مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں۔ شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیا میں جس قدر حکایتیں اور داستانیں سپردِ قلم کی ہیں، ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیشِ نظر قبول کر لیا یا ازراہِ ادب

سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مغفرت رساں رسم حلقۂ صوفیاء میں جاری ہو گئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتبِ ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوقِ تحقیق و تنقید کو مضمحل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوقِ تحقیق سے بیگانہ ہو گئی۔ ممکن ہے ناظرین و قارئین میری اس حق پسندی اور راست بیانی سے چیں بجبیں ہوں اس لیے میں اُن کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی

یعنی اے خدا! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہا کے غلام (مقلد) باقی رہ گئے ہیں۔

صرف ایک شعر اور سن لیجئے:-

حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ رندانہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات، کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس "نقل ہے کہ" یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں۔ ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن، حدیث، تاریخ، سیرت اور عقلِ سلیم ——— جس کی چاہیں تردید کر دیں، کوئی شخص آپ پر معترض نہیں ہوگا بلکہ یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ اس سے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد اور دلائل پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیماتِ قلندریہ سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریحِ طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں:- پہلے محمد کاظم قلندر کاکوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ "عارف باللہ" شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علوم درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً ملا غلام یحییٰ بہاری اور ملا حمداللہ سندیلی سے حاصل کئے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے ننانوے فیصد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں اس لیے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحییٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نامور منطقی تھے۔ انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی

مرحوم، درس نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لیے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہو چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے "مفقود الخبر" ہو چکے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزید عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم بنایا تب کہیں جا کر محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے:۔

مرا از منطق آید بوئے خامی ‎ ‎ ‎ دلیل او، دلیل ناتمامی،
در دلہائے بستہ را کشاید ‎ ‎ ‎ دو بیت از پیر رومی یا زجامیؒ

اب رہے ملا حمد اللہ تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہمعصر قاضی مبارک گوپاموئی دونوں نے سُلّم العلوم کی شرح لکھی اس کے دو حصے ہیں، تصورات اور تصدیقات۔ اول الذکر کی شرح تصورات موسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح تصدیقات موسومہ حمد اللہ آج بھی درس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور زوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمد اللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔

باز آمدم برسر مطلب، محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "اگر اتفاق شود "ناد علی" ہزار بار وقت پاس آخر شب مداومت کنند لیکن بایں طور کہ بہ رخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست وایں فقیر را بدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فوائد خواہند شد" صفحہ ۱۱۶

یہ "عارف باللہ" اپنے بھائی کو "ناد علی" کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ "ناد علی" کیا ہے؟ یہ داستان قبل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا جبریلؑ اور آنحضرت صلعم کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ ناد علیاً مظہر العجائب الخ سراسر بے بنیاد، بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت صلعم کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصل سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ چونکہ عارف باللہ ہے اس لئے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر

جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہو گا۔

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں۔ دل پر جبر کر کے صرف ایک روایت ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر، صفیر شاہ اودھ، امیر عاشق علی خان بہادر کو لکھتے ہیں کہ "نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ تھا جو ان کا پیر بھائی تھا یعنی خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا۔ جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہو گیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آ گئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ خبردار! اسے عذاب مت دینا کیونکہ یہ میرا مرید ہے۔ فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا: تم سچ کہتے ہو لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا (اعتقاد خود را بہ پلۂ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دستبردار ہو جاؤ، اسے خواجہ کے حوالے کر دو کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا۔ یہ طلسم ہوشربا لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ پیراں نمی پرند مریدان خود می پرانند" صفحہ ۱۷۵

میں اس دروغ بے فروغ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اعوذ باللہ من ذلک الخرافات۔ اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ یہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دو سو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کا تذکرہ نہیں ہے حالانکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات شیخین تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبد الرحمٰن قلندر لاہرپوری نے مسعود علی قلندر آلہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں:۔

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند ‎ ‎ ‎ بند رقیت ز پایت برکند

زیں سبب پیغمبر با اجتہاد   نامِ خویش و آں علی مولا نہاد (۱۲۹/۱۳۰ د)

چونکہ مکتوب عبدالرحمٰن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے اس لیے اس باب میں رفع اشتباہ اور ازالۂ ضلالت کے لیے اہلِ سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔

(۱) تمام محققین اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہرحال ولایت سے افضل ہے۔

(۲) 'ولایت' غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ 'ولایت' کہیں مذکور نہیں۔

(۳) ولایت علی کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔ اسی فرقۂ ضالہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ الولایۃُ افضلُ من النبوۃ۔ اور اسی طائفۂ باطلہ نے یہ جملہ بعض صوفیا کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل عجمی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ، قلندریہ، مداریہ، روشنائیہ، رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدارِ علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیا (بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علمِ حدیث، علمِ تاریخ اور سیرۃ النبیؐ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لیے کسی صوفی نے زحمتِ تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ، سچ بن گیا۔

(۴) قارئین کی آگاہی کے لیے یہ وضاحت بھی کیے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مومن ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مومن کا ولی (دوست) ہے۔ ولایت بمعنی دوستی ثمرہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجا لانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدہ ولایت کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا ہے۔

(۵) ولایت کے لیے "نصب" مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں ہے۔ اللہ جانتا تھا کہ باطل پرست 'ولایتِ علی' کا عقیدۂ باطلہ وضع کریں گے۔ اور رسول اللہ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت لینے کے لیے مبعوث کیا تھا اسی لیے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ ولایت (واؤ کے زیر کے ساتھ) استعمال نہیں فرمایا تاکہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔ الحمد للہ علی ذلک من جمیع المومنین

(۶) قارئین کی تسلی خاطر کے لیے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِینَ آمَنُوا یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۲-۲۵۷)

اللہ اُن لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ (اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ) اللہ انہیں

(کفر و شرک و بدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت کی) روشنی میں لے آتا ہے۔

(۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجۂ ولایت پر فائز ہونے) کے لیے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلا واسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے۔

(۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

(۹) مولوی رومیؒ کہتے ہیں:-

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند   بندِ رقیت زپایت بر کند

چوں بآزادی نبوت ہادی است   مومناں را ز انبیا آزادی است (دفتر ششم)

مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر و شرک کی غلامی سے) آزاد کر دے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کر دے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے۔ اس لیے مومنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اب قارئین خود غور کر لیں کہ مولوی رومیؒ کیا کہہ رہے اور یہ لاہر پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوئی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ نبوت تو قید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب و نظر میں زیغ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے۔ اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کر لیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقیناً مجھ سے متفق ہو جائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہلِ سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پا چکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہو جانے کی وجہ سے شک و شبہ یا تنقید و تحقیق سے بالاتر ہو چکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور خطیب کی زبان پر ہے کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں"

اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت عزت اور ہر دلعزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہو جائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہو جائے گی جسے شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے ۔ واللہ علی ما اقول شہید ۔

---

۴ ۔ نظام القلوب مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی ؒ میں حضرت مصنف ؒ نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کئے ہیں وہاں صفحہ ۳۰ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے :- " ذکر پنج فرقی - جانب ایمن یا محمد، جانب الیسر یا علی ، جانب بالا یا فاطمہ ، در پیش یا حسن ، در دل یا حسین "

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کر دیا ۔ یہ تو سراسر خلاف ارشادِ خداوندی ہے اس لیے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذاتِ اقدس سے مختص فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :" واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون " او

اور اللہ کا ذکر کثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے ۔ اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے ۔ کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے ۔

" وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ ۭ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۭ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ " (۱۰ - ۱۰۶ و ۱۰۷)

(اے انسان) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار ، جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے ۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا ۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے ۔

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے ۔ کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو پھر اللہ کا اثبات کرو ۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیں ہے

بقیہ بر صفحہ

ادارہ

تقریظ وتنقید

تکمیل فی اصول التاویل (عربی) مئی کے میثاق میں مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف دلائل النظام کی اشاعت کا ذکر ہو چکا ہے ۔ اب اس ماہ مولانا ؒ کی ایک اور تصنیف اصول التاویل چھپ کر موصول ہوئی ہے ۔ یہ کتابیں دائرۂ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ ، یوپی ، بھارت ، کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہیں ۔ دائرہ کے ناظم مولانا بدر الدین صاحب اصلاحی نے اپنے ایک تازہ گرامی نامہ میں بشارت بھی سنائی ہے کہ اصول التاویل کے بعد عنقریب مولانا ؒ کی کتاب الاسالیب بھی پریس کے حوالہ کر دی جائیگی ۔

اصول التاویل میں مولانا ؒ نے وہ اصول بیان فرمائے ہیں جو قرآن کی تفسیر میں صحیح نتائج تک پہنچنے کے لئے ضروری ہیں ۔ یہ اصول بالکل فطری ، عقلی اور ایسے بدیہی ہیں کہ کسی صاحب انصاف کیلئے ان سے کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے ۔ یہ صرف قرآن ہی کے سمجھنے کے لئے ضروری نہیں ہیں بلکہ ہر اعلیٰ کلام کو سمجھنے کے لئے یکساں ضروری ہیں ۔ یہی اصول ہیں جو میں نے اپنی کتاب ۔ تدبر قرآن ۔ میں ملحوظ رکھے ہیں اور ان میں سے بعض اہم اصولوں کا ذکر کتاب کے مقدمے میں کیا ہے ۔

دلائل النظام کی طرح یہ کتاب بھی مرتب تصنیف کی شکل میں نہیں ہے بلکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پیش نظر کتاب کے لئے جو یادداشتیں لکھی تھیں وہ ایک مناسب ترتیب کے ساتھ مرتب نے جمع کر دی ہیں ۔ بعض فصلیں ناتمام ہیں ۔ بعض مقامات میں شاہیں چھوٹی ہوئی ہیں ۔ بعض جگہ اس قدر اجمال ہے کہ صرف وہی لوگ کچھ فائدہ اٹھا سکیں گے جو یا تو مولانا ؒ کے طرز فکر سے آشنا ہوں یا خود صاحب فکر ہوں اور اپنی ذہانت سے ان اشارات کو تفصیل کا رنگ دے سکیں ۔ عبارت میں بھی کہیں کہیں وہ حسن و استحکام نہیں ہے جو مولانا کی تحریر کی خصوصیت ہے ۔ ان تمام کمیوں کے باوجود کتاب جواہرات کا خزانہ ہے اور ہر صاحب علم کے گہرے مطالعہ کے قابل ۔

مولانا ؒ کے طریق تصنیف سے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بیک وقت ان کے زیر فکر کئی کئی کتابیں رہتی تھیں ۔ وہ برابر مسائل پر غور و فکر اور تحقیق کرتے رہتے جب کوئی بات منقح ہو کر سامنے آجاتی ، سامنے پڑے ہوئے کسی رقعہ پرزے پر پنسل سے نوٹ کر لیتے ۔ اس کے اوپر اس کتاب کا نام لکھ

دیتے جس سے وہ بحث متعلق ہوتی۔ ہم نے مولانا کی زندگی ہی میں منتشر قطعوں پرزوں کا سارا مواد نقل کرکے الگ الگ فائلوں میں رکھ دیا تھا کہ جب حالات مساعد ہوں گے مولانا ان کو اپنے فکری نقشے کے مطابق کتابوں کی صورت میں مرتب کر دیں گے۔ لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی مولانا کی وفات ہو گئی۔ اب اس کے سوا کوئی شکل باقی نہیں رہی تھی کہ یہ جس ناتمام حالت میں ہیں، اسی حالت میں ان کے قدردانوں تک ان کو پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ اصحاب سے درخواست کی جائے کہ مگر

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

دائرہ حمیدیہ نگر فراہی ؒ کے تمام قدردانوں کے شکریہ کا مستحق ہے کہ وہ یہ کام نہایت حسن وخوبی اور نہایت مستعدی سے انجام دے رہا ہے۔ کام جس رفتار سے ہو رہا ہے اگر یہ رفتار قائم رہی تو امید ہے کہ جلد وہ ظاہر قرآن سے متعلق کتابوں سے فارغ ہو کر مولانا ؒ کی ان کتابوں کی طرف متوجہ ہوگا جو باطن قرآن یعنی حکمت و حج سے متعلق ہیں۔ ہماری دلی آرزو اور قلبی دعا ہے کہ جلد از جلد وہ دن آئے کہ کتاب الحج، کتاب الحکمت اور ملکوت اللہ وغیرہ کی زیارت سے بھی ہماری آنکھیں روشن اور ہمارے دل منور ہوں۔

میں جب ان کتابوں کو روشن ٹائپ میں نہایت اعلیٰ اہتمام سے چھپی ہوئی دیکھتا ہوں تو برادرم مولانا بدرالدین اصلاحی اور ان کے شریک عزیزی مولوی عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی سلمہ اللہ تعالیٰ کی قسمت پر رشک آتا ہے کہ علم قرآن کی کتنی بڑی خدمت ان کے ہاتھوں انجام پا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اس کو کوئی نہیں جانتا۔ جس زمانے میں برادرم مولانا اختر احسن مرحوم اور میں ان اوراق کی تبییض میں مشغول تھے میں کسی کتاب کے صحیفے کی فائل مولانا فراہی ؒ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ مولانا نے حسب عادت فائل پر ایک نظر ڈال کر اس کو تو محفوظ کرنے کی ہدایت کی اور اپنے قلم کے لکھے ہوئے مسودات چاک کر دینے چاہے۔ میں نے عرض کی ان کو چاک نہ کیجئے، میں ان کو محفوظ رکھوں گا۔ فرمایا نہیں، چاک کر دو ورنہ بعد میں ان کے سبب سے تم لوگوں کو پریشانی ہوگی۔ یہ سطریں لکھتے وقت یہ واقعہ یاد آیا تو میرا دل بھر آیا کہ کیا گردش لیل و نہار ہے کہ میں اور مولانا اختر احسن مرحوم دونوں ہی ان مسودات کی خدمت سے محروم رہے اور یہی ذمہ داری دوسرے انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان عزیزوں کی عمریں دراز کرے اور ہر قدم پر ان کی تائید و رہنمائی فرمائے کہ یہ اس بھاری ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہو سکیں۔ یہ خدمت انجام دے کر انشاء اللہ وہ اپنے نام علم قرآن کے زندۂ جاوید خادموں میں لکھوا لیں گے۔ اور یہ ایک بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔

علم قرآن کے قدردانوں سے درخواست ہے کہ وہ ان کتابوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اور دائرہ حمیدیہ

کے کارکنوں کے ساتھ تعاون کریں۔ یہ کتابیں جس ناتمام حالت میں بھی ہیں ان کا حرف حرف ایک دولت گراں مایہ ہے۔ اس وقت تو صرف ان کو محفوظ کر دینا پیش نظر ہے۔ لیکن انشاء اللہ وہ زمانہ بھی آئے گا جب ان پر ریسرچ کے ادارے قائم ہوں گے اور بہت سے لوگ ان پر کام کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں گے۔ ——————— (امین احسن اصلاحی)

حقیقت خلافت و ملوکیت | مصنفہ محمود احمد عباسی ۔ صفحات: ۵۴۲۔ قیمت اعلیٰ اڈیشن گیارہ روپے۔ سستا اڈیشن ۶ روپے ۷۵ پیسے۔ شائع کردہ مکتبہ، محمود ۴/۲۴ بی ایریا لیاقت آباد کراچی ۔ ۱۹

پریس کی ترقی اور کتابوں کی تجارت کے اس دور عروج میں سیاہی سے لکھی جانے والی اور کاغذ پر چھپنے والی کتابیں تو بے شمار نکلتی رہتی ہیں لیکن ایسی کوئی کتاب شاذ و نادر ہی نکلتی ہے جو خون جگر سے لکھی گئی ہو اور دلوں کے صفحات پر ثبت ہو جانے والی ہو۔ عباسی صاحب کی یہ کتاب انہی شاذ و نادر کتابوں میں سے ایک ہے۔

عباسی صاحب نے ہماری تاریخ کے سب سے زیادہ نازک، مشکل اور ہیجان انگیز دور کو اپنی تحقیق و تنقید کے موضوع کی حیثیت سے انتخاب کیا اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا۔ غلط فہمیوں اور غلط روایات کا ایک جنگل تھا جو ان کو صاف کرنا تھا پھر ہر قدم پر جذبات، تعصبات اور عقیدتوں کی دیواریں کھڑی تھیں جن سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے اصل حقیقت تک پہنچنا ہی اول تو جوئے شیر لانے کے مترادف تھا پھر اس سے زیادہ کٹھن کام اس حقیقت کے اظہار و اعلان کا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس مرد حق کی بصیرت علمی اور قوت ایمانی میں روز افزوں اضافہ فرمائے کہ اس نے تن تنہا اپنی محنت سے غلط فہمیوں اور غلط روایات کا پورا جنگل اس طرح صاف کر دیا کہ اب اس میں دشمن کے لئے کوئی کمین گاہ باقی نہیں رہی۔ ان کی تحقیق کے ثمرات مخالفین کی سرکوبی کے لئے اس وقت شہاب ثاقب کا کام دے رہے ہیں۔

عباسی صاحب کی زیر نظر کتاب مولانا مودودی کی کتاب 'خلافت و ملوکیت' پر ایک تنقید ہے۔ اس کو سمجھنے اور اس کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مولانا مودودی کے نقطہ نظر کو سامنے رکھا جائے۔ 'خلافت و ملوکیت' کو بادنیٰ تامل پڑھنے والا شخص بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے مصنف نے تاریخی مواد کو اس طریقے سے ترتیب دیا ہے کہ ایک خالی الذہن قاری مندرجہ ذیل نتائج تک پہنچ جاتے ہیں:

و۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کی خصوصیات برقرار رکھنے سے قاصر رہے۔ ان کی خلافت میں نہ حکومت عصبیتوں سے پاک رہ سکی اور نہ بیت المال کے امانت ہونے کا تصور قائم رہا۔

ب۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کسی خاص گروہ کی سازش کی وجہ سے نہیں اٹھ کھڑی ہوئی تھی بلکہ حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے نہ صرف عوام الناس بلکہ اکابر صحابہؓ بھی ناراض تھے۔

ج۔ خلافت کو ملوکیت میں بدلنے کا آغاز حضرت عثمانؓ نے کیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں خلافت راشدہ کا صحیح نظام از سر نو قائم کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر حضرت معاویہؓ کے عہد میں ملوکیت امت پر پوری طرح مسلط ہو گئی۔

د۔ دور صحابہؓ کی خانہ جنگی میں فریقین میں سے حق کس کے ساتھ تھا؟ اس سوال کے جواب میں خاموشی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اس میں حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی صحابہؓ کے طرز عمل کو صاف لفظوں میں غلط کہنا چاہیے۔

ہ۔ فاسد قیادت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ قدم اٹھانا چاہیے۔

و۔ امام ابوحنیفہؒ ایک دوہرا کھیل کھیلنے والے آدمی تھے۔ وہ بظاہر خلیفہ وقت کی حمایت کا دم بھرتے اور خلیفہ نے انہیں دارالخلافہ کی تعمیر کا نگران اعلیٰ بھی مقرر کیا ہوا تھا۔ مگر در پردہ وہ حکومت کے ہر باغی کی درمے و سخنے مدد کیا کرتے تھے۔

عباسی صاحب نے زیر نظر کتاب میں ان تمام نظریات کو دلائل و شواہد کے ذریعے لغو ثابت کیا ہے۔ انہوں نے ایک طرف حضرت عثمانؓ کی پوزیشن کو واضح کر کے دور خلافت راشدہ کو مجروح کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی اور دوسری طرف شورش پسندوں کی قلعی کھول کر انہوں نے صحابہ کرامؓ کا دامن داغدار ہونے سے بچا لیا ہے۔ خلافت و ملوکیت کے مطالعہ سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہوں کے سامنے نظام اسلامی کے تار و پود بکھیر دیئے گئے اور شریعت کی تحقیر کی گئی مگر وہ نہ صرف ان فتنوں کے مقابل میں پست ہمتی کا مظاہرہ کرتے رہے بلکہ دین و شریعت کو پامال کرنے والوں کا نمک کھاتے رہے۔ عباسی صاحب کی کتاب اس کی قطعی تردید کرتی ہے اور پورے دور فتنہ کو ایسے پس منظر میں پیش کرتی ہے جو رسول اللہﷺ کے تربیت یافتہ ساتھیوں کی شان کے مطابق ہے۔ نیز عباسی صاحب نے اس دور میں پہلی مرتبہ مدلل طریقے سے یہ بات ثابت کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا باغیوں کو شہ دینے کا واقعہ محض ایک فسانہ ہے اور نہ صرف ان کی بلکہ امام مالکؒ اور دوسرے اکابرین کی علمی خدمات خلیفہ وقت کی ذاتی دلچسپی اور تعاون سے ممکن ہوئی ہیں۔

عباسی صاحب خالی تاریخ نویس ہی نہیں بلکہ علم تاریخ کے مجدد ہیں۔ انہوں نے دور فتنہ کی تاریخ کو محدثین کے اصول پر جانچنے کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ خلافت و ملوکیت جیسی کتابوں کے لئے سم قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودی آجکل یہ کہتے ہیں کہ تحقیق کا یہ معیار احادیث کے لئے ہے تاریخی روایات کے لئے نہیں۔ اور اگر اس معیار کو اپنایا جائے تو ہمیں اپنی نوے فی صد تاریخ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ حالانکہ بات صاف ہے کہ سلاطین کی تاریخ اور حضرت عثمان غنیؓ کی تاریخ یکساں سہل انگاری کے ساتھ نہیں لکھی جا سکتی۔ امت کے نجوم ہدایت کے معاملہ میں اس دلیل کی کوئی قدر و قیمت نہیں کہ یہ بات فلاں فلاں کتابوں کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔ یہاں تو بات وہی کی جا سکتی ہے جو ان کے طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہو اور ان کی اعلیٰ صفات کے مطابق ہو۔ یہ عجیب بات ہے کہ مولانا مودودی حضرت علیؓ کے بارے میں اس اصول کو برتتے ہیں لیکن حضرت عثمانؓ یا دوسرے صحابہ کرامؓ کے لئے اس کی ضرورت تسلیم نہیں کرتے۔

تاریخ کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قوم کا اجتماعی ذہن جو اثر اس کا قبول کرتا ہے تا یہ ممکن نہیں ہے کہ تاریخ کی کتابیں مسموم مواد سے بھری پڑی ہوں اور ہمارے اذہان و قلوب ان سے متاثر و مسموم نہ ہوں۔ ایسے مسموم مواد کو تحقیق کے نام سے یکجا پیش کرنا اور قوم کے متفق علیہ اماموں کو سبائی فتنوں کا سرپرست ثابت کرنا جن اغراض کے لئے ہے ان کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اپنی طالع آزمائی کے لئے اس طرح راہ ہموار کرنے سے قوم کا بھلا کیا ہوگا؟ اس صورت حال میں عباسی صاحب کا کام بہت ہی بے نظیر و قابل قدر ہے۔ یہ بات بہت ہی مایوس کن ہے کہ حکومت نے ان کی اکثر کتابیں ضبط کر رکھی ہیں۔ علم و تحقیق کے کارناموں کو ضبط کرنے کی مثالیں اگرچہ تاریخ میں نادر نہیں ہیں لیکن عباسی صاحب کی کتابیں ضبط کرنے پر اس پہلو سے بڑا ہی افسوس ہوتا ہے کہ ملت اسلامیہ کے اندر وحدت فکر اور اس کے مختلف گروہوں میں رواداری کی صحیح اسپرٹ پیدا کرنے کے لئے جو کام وہ کر رہے ہیں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ ملت میں اتحاد سیاسی بیان بازی اور کھوکھلی تقریروں سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری یہ چیز ہے کہ وہ غلط فہمیاں صاف ہوں جو تمام اختلافات کا باعث ہیں۔ عباسی صاحب اپنی تصنیفات کے ذریعے یہی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب کے بارے میں یہ بات واضح رہے کہ یہ ایک مؤرخ کی لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا خلافت و ملوکیت کے بعض فقہی مندرجات پر تبصرہ اس میں تشنہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کتاب کے مصنف اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ان کے معتقدین ان کی ہر تحریر کو حرزِ جاں بنا لیتے خواہ وہ کسی بھی معیار پر بھی ہو لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی۔ اس لئے کتب کے ظاہر پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے ——— (خالد مسعود)

اسلامک ایجوکیشن

مجلہ: آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس

زیر ادارت: ڈاکٹر محمد رفیع الدین۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ۔

جناب ڈاکٹر رفیع الدین صاحب سابق ڈائرکٹر اقبال اکاڈمی کراچی کی شخصیت برصغیر پاک و ہند کے علمی حلقوں کے لئے محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ ان کی تین تصانیف یعنی "قرآن اور علم جدید" (اردو) جو پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے اسلامیات کے کورس میں شامل ہے "IDEOLOGY OF THE FUTURE" (انگریزی) جس پر انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی اور جو پنجاب اور کراچی کی یونیورسٹیوں کے ایم اے فلسفہ کے نصاب میں شامل ہے اور "MENIFESTO OF ISLAM" (انگریزی) برصغیر کے علمی حلقوں میں معروف بھی ہیں اور مقبول بھی۔ دینیات اور فکر جدید بیک وقت دونوں میں درک رکھنے والی جو گنی چنی شخصیتیں برصغیر میں موجود ہیں ان میں جو مقام مولانا عبدالماجد دریا بادی کو حاصل ہے اسے سب جانتے ہیں لہٰذا متذکرہ بالا کتب کے بارے میں ان کی رائے ہر طرح کفایت کرتی ہے۔ "MENIFESTO OF ISLAM" کے بارے میں مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

"پہلی کتاب جس کے نام کا صحیح ترجمہ "منشور اسلام" ہو سکتا ہے گویا دنیا کے نام اسلام کا اپنے متعلق اعلان نامہ اور تعارف نامہ ہے۔ علمی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے دینی اور سائنسی دونوں پہلوؤں سے۔ اس میں علمی زبان میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے موجودہ اخلاقی، معاشرتی، انفرادی، اجتماعی امراض سے اگر کوئی چیز اسے نجات دلا سکتی ہے تو وہ اسلام ہی کا پروگرام ہے ...... اندازِ بیان جذباتی نہیں، تمام تر استدلالی ہے اور بنیادی مسائل میں سے ایک ایک مسئلہ کو لے کر اس کی توضیح و تشریح قرآنی تصریحات سے کی گئی ہے ...... کتاب عام لوگوں کے کام کی نہیں لیکن جن انگریزی خوانوں کا مطالعہ ذرا اونچا ہے، انہیں ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔"

(صدق جدید ۲۰ فروری ۱۹۵۹ء)

"قرآن اور علم جدید" کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

کلام جدید پر کتابیں اردو میں ہر قسم اور ہر سطح کی لکھی جا چکی ہیں اور ان میں سے بعض بڑی فاضلانہ اور بڑی دلنشین بھی ہیں۔ اس کتاب کی سطح ان سب سے بلند اور رفیع تر ہے۔ مصنف نے ادق سے

ادق فلسفوں اور سائنسی اصول و نظریات کا ذکر ان کے عوامی خلاصوں اور شرحوں کی بجائے راست مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کے جواب میں سطحی اور جذباتی نعرہ بازی کو کافی نہ پا کر ان کے گہرے چیلنج کو سمجھا ہے۔ ان جدید علوم کے جتنے اجزا الٰہیات قرآنی کی روشنی میں، مزاج اسلام کے مطابق اور ماتحت نظر آئے انہیں قبول کر لیا ہے اور جتنے اس کے مخالف یا کم سے کم اس سے خارج نظر آئے۔ ان کا رد و ابطال پوری علمی دلیری اور استدلالی ہمت سے کیا ہے۔ کتاب کا بیشتر حصہ اپنے استدلال کے استحکام اور دلائل منطقی و فلسفی کی گرفت کے لحاظ سے سارے کلامی ذخیرے میں اپنی نظیر آپ ہے ...... کتاب عوام کے کام کی بالکل نہیں، صرف اونچے تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعے کے قابل ہے گو اس طبقے میں بھی کتاب کے ہر نکتہ کو سمجھنے والے شاذ و نادر ہی نکلیں گے ......"

(صدق جدید ۲۸ اگست ۱۹۵۹ء)

ڈاکٹر صاحب کی ایک نسبتاً تازہ تصنیف "FIRST PRINCIPLES OF EDUCATION" ہے جس پر انہیں فلسفہ میں ڈی لٹ کی ڈگری دی گئی ہے اور اب اقبال اکاڈمی کراچی کے ڈائریکٹر کے عہدہ سے ریٹائر ہونے کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کر کے انہوں نے جمعیت التعلیم الاسلامیہ پاکستانیہ (ALL PAKISTAN ISLAMIC EDUCATION CONGRESS) کی تاسیس کی ہے اور اس کے تحت ایک دو ماہی مجلہ "ISLAMIC EDUCATION" کے نام سے انگریزی میں جاری فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی سابقہ تصانیف کے ذریعے ڈاکٹر صاحب نے جس "جدید علم کلام" کی بنیاد رکھی تھی اب وہ اس کو عملاً ایک نظامِ تعلیم میں سمو کر ملت اسلامیہ کی نوجوان نسل کی اسلامی نظریات کے مطابق ذہنی و فکری پرورش کی ایک عملی کوشش کا اجرا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس" کا فوری ہدف یہ قرار دیا گیا ہے کہ:

"ایک ایسے کالج کا قیام عمل میں لایا جائے جس کا الحاق کسی یونیورسٹی کے ساتھ خصوصی قانونی صورت میں کیا جائے اور یہ کالج اس امر کی وضاحت کے لئے ایک عملی نمونہ بنے کہ اسلامی تعلیم سے درحقیقت مراد کیا ہے؟ اور اس کے ذریعے کیسے افراد تربیت پا کر تیار ہوتے ہیں؟ —— اس کالج میں ان شاء اللہ ہی اس تمام علمی مواد کا مرکزی موضوع اور جوہر ترکیبی ہوگا جس پر تمام طبعی، حیاتیاتی اور انسانی علوم کی کتب نصاب مشتمل ہوں گی۔"

کالج کی سطح پر ایک ایسی نوعیت کی درسگاہ کا قیام جس میں اصل دینیات اور جدید عمرانیات کے

امتزاج ہی پر نہ ہو بلکہ مذہب اور سائنس کے کلی ادغام پر ہو جو اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ وہ ہیں نہایت کٹھن اور شدید صبر آزما کام بھی اور قوم کی بے حسی اور اس کے سوچنے سمجھنے والے طبقے کی دین سے بے پروائی کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر ایسے کسی تجربے کی کامیابی حکومت کی سرپرستی اور بھرپور امداد و تعاون کے بغیر قطعاً ناممکن نظر آتی ہے۔ 'میثاق' اگرچہ چند بے نوا اشخاص کے حلقے کا پرچہ ہے اور اس کی پہنچ زیادہ اونچی نہیں تاہم ـــ ہم پورے خلوص کے ساتھ حکومت پاکستان کے کارپردازوں اور تعلیم کے مرکزی و صوبائی محکموں کے ذمہ دار افسروں سے پرزور استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس اہم تجربے کے لئے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور ایک ایسے مثالی کالج کے قیام کے لئے ان کو ہر ممکن مدد دیں! ـــ کیا عجب کہ ہماری یہ مخلصانہ استدعا کسی صاحبِ دل اور با اختیار انسان کے دل کو لگ ہی جائے اور اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کے لئے کوئی راہ اپنے خاص فضل و کرم سے کھول دے۔

کالج کے قیام سے پہلے اس کی ضرورت کے احساس کو عام کرنے ـــ اور اس تجربے کے قابل عمل ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ہی ڈاکٹر صاحب نے "ISLAMLC EDUCATION" جاری فرمایا ہے۔ اس کے دو شمارے ایک مارچ اور اپریل ۱۹۶۸ء کا اور دوسرا مئی و جون کا ہمارے سامنے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے طباعت اور کاغذ کا معیار بہت اونچا رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب "بلند نگہ" کے مالک ہیں۔ خدا کرے کہ وہ سرکاری سرپرستی میں نکلنے والے پرچوں کے اس معیار کو نباہ سکیں۔ دونوں شماروں کے
مضامین نہایت اعلیٰ و عمدہ ہیں خصوصاً ڈاکٹر صاحب کا ایک مضمون "WHAT IS MANA"
اور دوسرا مضمون "EDUCATION SHOULD PREPPRE VS FOR OUR WO-
RED ROLE" نہایت فکر انگیز اور جناب افتخار احمد صاحب کا مضمون "RELEVANCF OF ISL-
AM TO SCIENCE" اس مجلے کے مقاصد کی وضاحت کیلئے نہایت مفید ہے۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس اور مجلہ اسلامک ایجوکیشن کیساتھ عملی تعاون کی صورت یہ تجویز کی گئی ہے کہ لوگ پچیس روپے سالانہ ادا کرکے اس کے معاونین کے حلقے میں شامل ہو جائیں، معاونین کو اسلامک ایجوکیشن بلاقیمت ملتا رہے گا۔ ہم قارئین میثاق سے پرزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ ضرور اس حلقے میں شامل ہو کر اس نیک کام میں تعاون کریں جس کا بیڑہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب نے اٹھایا ہے۔ اس لئے کہ ہم اپنے ذاتی مشاہدات اور ڈاکٹر صاحب سے براہ راست رسم کی بنا پر جو کچھ جانتے ہیں اس کی بنیاد پر مولانا عبدالماجد دریابادی کی اس رائے کی کلی تصویب کرتے ہیں کہ..... "ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنی ڈگریوں کے باوجود دین میں بڑے راسخ ہی نہیں بلکہ بلا مبالغہ ایک نئے قسم کے علم کلام کے مبصر ہیں جو سائنس اور فلسفہ کی لائی ہوئی نئی نئی گمراہیوں کا مقابلہ پوری قوت سے کر سکتا ہے"۔

ـــــ (اسرار احمد) ـــــ

دار الاشاعة الاسلامية لاهور

کا مقصد

علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت ہے ۔ تاکہ:

(۱) عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو ـــ اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

(۲) بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے 'متعارف' ہوں۔ اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشرواشاعت کے لئے وقف کر دیں ــــــ تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام کی راہ ہموار ہوسکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ

اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہوچکا ہے ـــ آئندہ کے لئے

- ★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں ـــ یا
- ★ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ـــــ ورنہ
- ★ آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔